
بن باسنی
Library No
Date

دستور العمل ناول میگزین

(۱) اس قیمتی سلسلہ میں نایاب نادر دلچسپ پر مذاق حکایات سلطر رسانی معاشرت شگفتی جادو تاریخی واقعات الغرض ہر قسم کی عجائبات ذریعیت کیف بنگالی مرہٹی گجراتی ہندی سنسکرت انگریزی اور یورپ کی دیگر زبانوں کی علمی ناولوں کو بہترین ناول اردو زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ جو بلحاظ لکھائی چھپائی وغیرہ نہایت خوبصورت دیدہ زیب ہوگی۔ (۲) سال بھر میں اس سلسلہ کے کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ آٹھ مختلف مکمل ناول نکلیں گے۔ (۳) مستقل خریداروں کو ہر ناول نصف قیمت پر دیا جائیگا علاوہ محصولڈاک۔

(۴) رسالہ وگیانی [illegible] ہے خریداروں کو اگر مستقل خریدار ہونا چاہیں تو [illegible] قیمت ناول میگزین [illegible] لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ [illegible] تو آپ [illegible] مستقل خریداروں سے پوری قیمت لی جائیگی۔

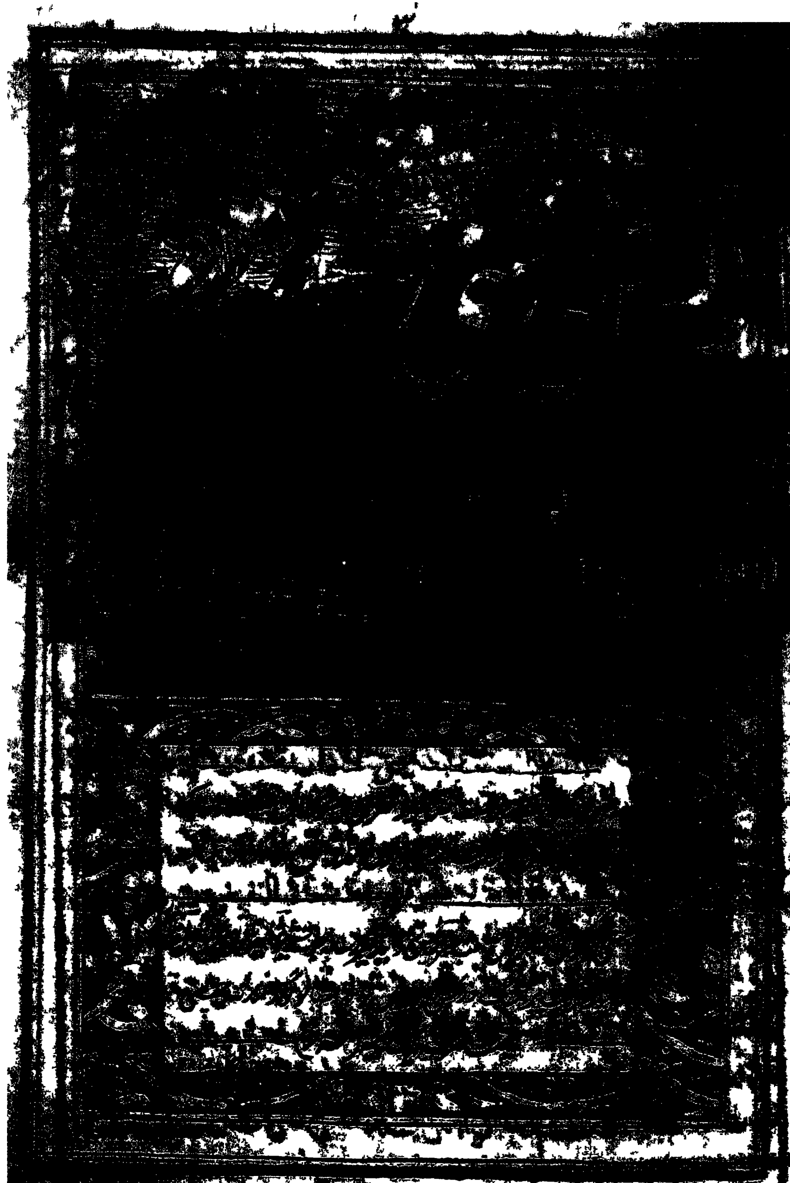
ناول میگزین کے سلسلے کا [illegible] کا دوسرا ناول بھی چھپ چکا ہے شائقین جلد [illegible] پہلا ناول [illegible] ہے قیمت ۱۲ [illegible]

نصف قیمت [illegible]

مذاقیہ ناول مندرجہ ذیل مذاقیہ ناول [illegible] جلد طلب فرمائیں ورنہ اگلے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ (۱) **واہ** [illegible] دوسرا ایڈیشن قیمت [illegible] رعایتی ۱۰ (۲) ایڈھی [illegible] ۔ نہایت پر مذاق ناول [illegible] رعایتی [illegible] (۳) **آنکھ پھوڑ** [illegible] ناول قیمت ۱۱ رعایتی [illegible] (۴) **چلتا پرزہ** [illegible] قیمت [illegible] رعایتی [illegible] (۵) **بھنگ کی ترنگ** [illegible] قیمت [illegible] رعایتی [illegible]

ضروری اطلاع ناول میگزین کے سلسلہ کا [illegible] ناول [illegible] ڈاکٹر [illegible] کے معرکتہ الآرا ناول [illegible] کا اردو ترجمہ شائع ہوگا اور یا [illegible] مشہور و معروف ناول نویس ہیں۔ [illegible] یورپ و امریکہ کے بہت ہی مشہور ناول [illegible] ترجمہ شائع ہوگا [illegible] ناول [illegible] بنگالی و [illegible] زبانوں میں [illegible] شائع [illegible] اظہار فرمائیں [illegible]

[illegible]





شام کا وقت تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اور ہوا سن سن چل رہی تھی۔ ایسے میں کسے حوصلہ تھا۔ کہ وہ گھر سے باہر نکل کر کسی دشوار گذار راستہ کا سفر کرے۔ ہر چہار طرف جیسے قیامت بپا تھی۔ درختوں کی شاخیں گر رہی تھیں۔ اُن سے کڑکڑ کی ہیبتناک صدائیں آ رہی تھیں بعض مکانات کی چھتیں زمین سے ہم آغوش ہو رہی تھیں۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ اور بادل رہ رہ کر گرجتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے بجلی بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ نہایت ہی خوفناک وقت تھا۔ پانی کے ساتھ ساتھ ہی پتھر بھی بکثرت برس رہے تھے۔ راستہ میں کوئی کہاں کھڑا ہو؟ کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔

ایسے وقت میں مزید رنالحقہ راستہ میں تھے۔ تن تنہا۔ پانی اور اولوں کی تاب نہ لا کر وہ جلدی جلدی قدم بڑھانے لگے۔ مگر چلتے چلتے یکا یک پاؤں پھسل گیا۔ سخت چوٹ آئی تاہم وہ نہ رکے۔ چلتے ہی گئے۔ اُن کی چادر میلے تو ہوا سے لہرانے لگی۔ اس کے بعد اُڑتے اُڑتے وہ ایک درخت کی شاخ سے اٹک گئی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے درخت نے

اپنے سر پر پگڑی باندھ لی۔ اسوقت وہ درخت دو سے درختوں کے درمیان ذی حیثیت معلوم ہونے لگا یکایک پانی کسیقدر تھما۔ بجلی کی چمک میں کمی واقع ہوئی۔ ہر چہار طرف اندھیرا چھا گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھائی دیتا تھا۔ نریندر ناتھ سوچنے لگے ایسے میں کہاں جائیں؟ اُن کے دل پر ہیبت طاری ہوگئی۔ اس قدر تاریکی میں اُنہیں آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا

سوتے وہ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوکر چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگے دیکھا بہت دور پر چراغ جل رہا ہے۔ اُس روشنی کو دیکھ کر نریندر ناتھ کے دل ہی دل میں کسی قدر حوصلہ ہوا۔ سوچنے لگے ایسی بارش میں کیا میں کسی طرح وہاں پہنچ سکتا ہوں اگر پہنچ جاؤں۔ تو پناہ مل سکتی ہے۔ ایسے بُرے وقت میں بھی کیا مجھے کوئی پناہ نہ دیگا؟ جس کے جسم میں انسان کا گوشت پوست اور خون ہے۔ وہ ضرور مجھے جگہ دیگا۔ اسی بھروسہ پر وہ روشنی کی طرف چلے۔ رفتہ رفتہ وہ روشنی کے پاس پہنچے۔ دیکھا بیچ میں گھر ہے ایک چراغ اپنی مدھم روشنی سے جھلملا رہا ہے۔ اُنہوں نے دروازہ میں دھکا مارا۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ دو چار بار کھٹکھٹانے پر کسی نے اندر سے آواز دی۔ "کون ہے؟"

نریندر ناتھ "میں ایک گمراہ مسافر ہوں۔ کیا یہاں مجھے تھوڑی دیر کے لئے پناہ مل سکتی ہے؟"

گھر کے اندر سے آواز آئی: "آئیے"

یہ کہتے کہتے دروازہ کھل گیا۔ اُس کے کھلتے ہی ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھ گیا نریندر ناتھ مکان میں داخل ہوئے۔ اُنہوں نے دیکھا۔ مکان دو منزلہ ہے۔ نریندر ناتھ جس منزل میں گئے تھے۔ وہ کمرہ نہایت صاف و ستھرا تھا۔ گرہستی کی چیزیں بکثرت نہیں تھیں۔ ایک بڑا سا گھڑا رکھا ہوا تھا۔ اور اُس میں چند ضروری برتن تھے۔ اُسی وقت ایک شخص نے نریندر ناتھ سے پوچھا: "آپ کا نام کیا ہے؟"

نریندر "نریندر ناتھ"

وہ ضعیف شخص اُن کا نام سنکر کسی قدر چونک اُٹھا۔ اور پھر بہت ہی عاجزانہ انداز سے

نریندر ناتھ کو نمسکار کیا۔ جس سے چٹائی پر وہ خود سو رہا تھا۔ وہ اُس نے اُٹھا کر نریندر ناتھ کے بیٹھنے کے لئے بچھادی۔ اس کے بعد چراغ جلانے کی فکر کرنے لگا۔ مگر چراغ نہ جل سکا۔ کیونکہ گھر میں آگ نہیں تھی۔ نریندر ناتھ نے پوچھا "یہ کِسکا مکان ہے" بڈھا خاموش ہو گیا۔ نریندر ناتھ کے اس سوال سے جیسے اُس کے دل میں خوفناک حالت طاری ہوئی ـــ مگر خاموشی ہی میں کچھ مصلحت سمجھی۔ نریندر ناتھ اس خاموشی کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ بولے:۔ "خاموش کیوں ہو گئے؟"

اُس وقت بوڑھے نے بےچین ہو کر بولنا شروع کیا۔ کہا:۔ "آپ اس گاؤں کے زمیندار کے لڑکے ہیں۔ اس لئے آپ سے کچھ پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں"

بوڑھا نریندر ناتھ کو پہچانتا تھا۔

نریندر ناتھ بوڑھے کے منہ سے اپنا پتہ پا کر متحیر ہو کر بولے۔ "تو تم کون ہو؟"

"میں اس مکان کا نوکر ہوں"

اس ضعیف کے مفصل حالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اُس کا نام بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سنئے:۔ اُس کا نام رام بھدر تھا۔

نریندر ناتھ نے کہا:۔ "تم یہاں کیا کرتے ہو؟"

رام بھدر نے ایک گہرا سانس لے کر کہا:۔ "لڑکیوں کی خدمت"

نریندر ناتھ نے جھجکتے ہوئے کہا "کیا اُن کی نسبت میں کچھ جان سکتا ہوں؟"

رام بھدر نے کسی قدر بگڑ کر کہا:۔ "اُس دردناک داستان کے تذکرہ کا اس وقت موقع نہیں" یہ کہہ کر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اُس وقت نریندر ناتھ کے دل میں طرح طرح کے شکوک و خیالات پیدا ہوئے۔ بے تابانہ انداز سے بولے "اگر کوئی حرج نہ ہو تو ضرور تمام حالات مفصل طور پر بیان کرو"

نریندر ناتھ کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہ نہایت ہی غریب شخص ہے۔ اُنہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔ جہاں تک ہو سکیگا۔ میں اس کی مدد کروں گا اگر یہ سماج سے خارج شدہ شخص ہے۔ تو اسے سماج میں ملا لوں گا۔ اور رہنے کے لئے مکان دوں گا۔

رام بھدر نے نریندر ناتھ کی بات سُنکر تمام حالات مفصّل طور پر سُنانے کا ارادہ کیا مگر اس قدر درخواست کی کہ آپ پھر کسی روز تشریف لائیے گا میں تمام حالات آپ سے عرض کروں گا۔

نریندر ناتھ نے دیکھا رام بھدر آج کسی طرح کچھ کہنے کو تیار نہیں۔ اس لئے انھوں نے دوسرے دن آنے کا ارادہ کیا۔ اور اُٹھ کر چل دیئے۔

رام بھدر نے نریندر ناتھ کو اُٹھتے دیکھ کر عاجزانہ انداز سے کہا۔ "کسی دن ضرور آئیگا"

نریندر:۔ "بہت اچھا"

رام:۔ "غریب کی عرض نہ بھولئے گا!

نریندر:۔ "نہیں ضرور آؤں گا"

باتوں باتوں میں بہت سا وقت گذر گیا۔ اُسوقت بارش بند ہو چکی تھی۔ مطلع صاف ہو چکا تھا۔ اور چاند نے صفحہ عالم پر اپنی جلوہ ریز شعاعوں کی چادر بچھادی تھی۔ رفتہ رفتہ تارے جلوہ گر ہونے لگے۔ نریندر ناتھ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

دُوسرا باب

صبح شیل بالا نے آکر رام بھدر سے پُوچھا۔ "رام بھدر! کل رات کو کون آیا تھا؟"

رام بھدر شیل بالا کی بات سُنکر چونک اُٹھا اور اصل حالات چھپا کر بولا:۔ "کوئی تو نہیں آیا تھا"

"چھی! تمہارے تین پن گئے۔ چوتھا آیا۔ موت قریب ہے۔ اس وقت بھی جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا۔ دھکار ہے تمہاری زندگی کو" شیل بالا گذشتہ رات کی تمام باتوں سے آگاہ تھی رام بھدر کو یہ بات نہیں معلوم تھی۔ اس لئے اُس نے کہا:۔ "جھوٹ کیوں بولوں گا"

شیل بالا نے لال لال آنکھیں نکال کر کہا:۔ "پھر وہی بات!"

اگرچہ رام بھدر کی عمر ساٹھ ستر برس کے قریب تھی۔ مگر چہرہ سے ضعیفی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے ... پیشانی پر جلال نمایاں تھا۔ انہیں دیکھ کر کو ...

اندازہ نہیں لگ سکتا تھا۔ ابتک بھی وہ پانچ چھ کوس چل سکتے تھے۔ اتنی عمر ہوگئی تھی۔ مگر پھر بھی وہ بیکار نہیں بیٹھتے تھے رام بھدر کو اپنی جان بہت پیاری تھی۔ کوئی راہ گیر کہیں لاٹھی مار کر سب کچھ چھین نہ لیجائے۔ اس خوف سے وہ کہیں نہیں بیٹھتے تھے۔ رات کو رام بھدر برآمدہ میں سویا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ شیل بالا اُسے کھلا پلا رہی ہے کبھی دیکھا کہ شیل بالا اُس کے ساتھ کتنی ہی ہنسی۔ دل لگی اور چہل مذاق کی باتیں کر رہی ہے۔ اور وہ خود بھی اُس کے ساتھ ساتھ ہنس رہا ہے۔ ہنستے ہنستے اُس کا پیٹ پھٹ گیا۔ شیل بالا تالیاں بجا بجا کر اس کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ اسی طرح رام بھدر تمام رات خواب دیکھتا رہا۔

رام بھدر میں ایک اور عیب تھا۔ اور وہ یہ کہ وہ رات کو دس پندرہ چلم حقہ پیا کرتا تھا حقہ بھرتے وقت وہ شیل بالا کو آواز دیکر پوچھتا کہ تو سوئی یا نہیں۔ صبح کا تارا نکل آیا۔ تماکو کہاں ہے۔ کوئلے کہاں رکھ دیئے اور چلم معلوم نہیں کہاں ہے ملتی نہیں۔ اس طرح کی بہت سی باتیں کر کے وہ پھر لیٹ رہتا تھا۔ شیل بالا بھی رام بھدر کی ان باتوں سے جاگ اٹھتی تھی۔ اور دو ایک باتوں کا جواب دیکر سو رہتی تھی۔ اور جس دن شیل بالا سوتی رہتی تھی۔ یا جاگتے ہوئے بھی کوئی جواب نہ دیتی تھی۔ اُس دن رام بھدر حقہ پیتے پیتے سویرا کر دیتا تھا۔ حقہ کی آواز جو زور سے گڑ گڑ کرتی تھی شیل بالا اس سے چونک کر چپ چاپ منہ لپیٹے پڑی رہتی تھی۔ اور رام بھدر کی حرکات و سکنات کا تماشا دیکھ کر خود بخود ہنستی رہتی تھی۔

جو ہو۔ ان سب باتوں کے مزید تذکرہ کی ضرورت نہیں رام بھدر شیل بالا اس سے جب ناراض ہے۔ آج کسی طرح کھانا نہیں دیگی۔ ہنسی دل لگی کا موقع نہیں ملیگا اچھی طرح بات بھی نہیں کرے گی یہ سب سوچ کر وہ اداس ہو جاتا تھا۔ شیل بالا نے پھر کہا۔ "رام بھدر! بتا کون آیا تھا۔" یہ کہہ کر وہ کسی قدر مسکرا اٹھی۔

رام بھدر شیل بالا کی مسکراہٹ دیکھ کر ایسا خطی ہو گیا دل ہی دل میں سوچا۔ مان ٹوٹ گیا۔ بولا۔ "کوئی تو نہیں آیا تھا تمہارے پیٹ میں جیسے ہمیشہ قلانا زیادہ ہی گیا

کرتے ہیں۔

شیل بالا نے جھنجھلا کر کہا:۔ تم مجھے دودھ پیتی بچی ہی سمجھتے ہو۔

رام بھدر نے دل ہی دل میں کہا:۔ اگر تو ایسی ہوتی تو ہی بہتر تھا۔ بظاہر بولا:۔ زمیندار کا لڑکا۔

شیل بالا:۔ کہاں کے زمیندار کا لڑکا؟

رام بھدر:۔ اسی گاؤں کے۔

شیل بالا:۔ کیوں آئے تھے؟

رام بھدر:۔ رات کو زبردست بارش ہوئی تھی نہ۔

شیل بالا:۔ ہاں۔ مگر کیوں؟

رام بھدر:۔ اس بارش میں کوئی ٹھکانا نہ پاکر یہاں آئے تھے۔

شیل بالا:۔ بہت اچھا۔ مگر پھر ایک دن آنے کے لئے کیوں کہہ گئے ہیں؟

رام بھدر نے نریندر ناتھ سے ایک دن پھر آنے کی درخواست کی تھی۔ شیل بالا نے یہ بھی سن لیا تھا مگر رام بھدر کو یہ نہیں معلوم ہوا تھا۔ اسی وجہ سے شیل بالا کی بات سنکر دل ہی دل میں سوچنے لگا:۔ شیل بالا سے بغیر صاف صاف کہے ہوئے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ ہائے! شیل بڑی دُشٹ ہے"۔ آج سے اب گھر میں کوئی بات چیت نہیں کرونگا یہ سوچ کر خاموش ہوگیا۔ شیل بالا رام بھدر کو خاموش دیکھ کر بولی:۔ بول کیوں آنے کو کہہ گئے ہیں۔

رام بھدر نے دل ہی دل میں مستحکم ارادہ کر لیا تھا۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو شیل بالا سے یہ بات نہیں بتاؤں گا۔ مگر اس کی حالت دیکھ کر نہ رہ گیا۔ بولا:۔ ضروری کام ہے۔

شیل بالا نے پھر سوال کیا۔ کیا کام ہے؟

رام بھدر نے غصہ میں آکر کہا:۔ تمام باتیں تمہیں بتا دوں؟

شیل بالا بھی غصہ میں آکر بولی — سو دفعہ کہنا پڑیگا۔ ہزار دفعہ کہنا پڑیگا۔

رام بھدر:۔ جاؤ۔ میں نہیں بتاؤں گا۔

شیل بالا نے منھ ٹیڑھا کر کے کہا:- اچھا دیکھوں گی۔ آج تم کیا کھاتے ہو۔ میں جاتی ہوں۔ شیل بالا نے چلے جانے کی دھمکی دی۔

رام بھدر نے ڈر کر جلدی سے شیل بالا کا ہات پکڑ لیا۔ مگر شیل بالا نے جھٹکا دیکر کہا:- ہات چھوڑ دو میں تمہاری بات نہیں سنونگی۔

رام بھدر نے دُکھی ہو کر کہا:- چھی! شیل! غصہ کیوں کرتی ہے۔ تم سے نہ کہوں گا تو کس سے کہوں گا؟ تمہارے ساتھ ذرا مذاق کر رہا تھا۔ اور کوئی بات نہیں۔

شیل بالا نے سوچا۔ رام بھدر ڈر گیا ہے۔ اب تمام باتیں بتا دیگا۔ بولی:- اچھا! اب بتاؤ!

اسوقت رام بھدر نے شیل بالا سے آہستہ آہستہ کیا کہا معلوم نہیں۔ شیل بالا ہنستے ہنستے چلی گئی۔ رام بھدر بھی حقہ چلم لے کر تمباکو جلانے کے لئے بیٹھ گیا۔ بار بار حقہ پینا رام بھدر کے لئے بہت ضروری تھا۔

تیسرا باب ۳

دوسری بار

نریندر ناتھ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے چونکہ رام بھدر سے وعدہ کر گئے تھے۔ اس لئے وہ آئے رام بھدر نریندر کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ مسرت آمیز لہجہ میں بولا:-

"آ گئے؟ اچھا ہُوا! مفلس کی بات یاد ہے؟ یہی سب کچھ ہے"!

نریندر ناتھ نے ذرا مسکرا کر کہا:- دُنیا میں سبھی مفلس ہیں۔

کج فہم رام بھدر نے نریندر ناتھ کی بات سُنکر دانتوں تلے اپنی زبان دبائی۔ چھی! کوئی ایسی بات بھی کرتا ہے۔ آپ لوگ بڑے آدمی ہوئے۔

نریندر۔ تم نے میری بات نہیں سمجھی۔ دُنیا میں جسے جس چیز کی کمی ہے وُہی مفلس ہے۔ بڑے آدمیوں میں بھی مفلسی ہے۔

رام بھدر اس مرتبہ بھی نریندر ناتھ کی بات اچھی طرح نہ سمجھ سکا۔ بولا:- سنیئے۔ یہ کیا؟ بڑے آدمیوں کو کس بات کی کمی ہے؟

نریندرناتھ نے ہنس کر کہا:۔ بڑے آدمیوں کو کمی نہیں؟ جس کے پاس دولت کا بھکاری ہے۔ جس کے دل میں ہمیشہ بے اطمینانی کی آگ مشتعل رہتی ہے۔ وہ اطمینان کا بھکاری ہے اور جس کے دل میں پریم بھگتی۔ محبت۔ دیا۔ اور پیار وغیرہ نہیں ہیں۔ وہ بالکل کنگال ہے بڑے آدمیوں کے پاس کیا سب کچھ ہے؟ دُنیا مُفلس ہے۔

رام بھدر کے دل میں اُمید کی تجلی دکھائی دی۔ بولا:۔ آپ کس کے بھکاری ہیں؟
نریندر ناتھ خاموش ہو گئے۔

رام بھدر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ کہ کس طرح اندومتی کا ذکر چھیڑ دوں۔ اس کی موٹی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ وہ دل ہی دل میں خیالات کے ادھیڑ بن میں پڑ گیا۔ کسی نامعلوم طاقت نے پریشان خیالات کا تار و پود مہیا کر دیا۔ نریندرناتھ بات کا جواب دینگے یا نہیں اپنی خیالات میں غلطان پیچاں تھا۔ جھجکتے جھجکتے بولا:۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔
نریندرناتھ نے ذرا مسکرا کر کہا:۔ کیوں؟
رام بھدر۔ یہ مسکراہٹ دیکھ کر جھجکتے ہوئے بولا:۔ اتنی دور تکلیف اُٹھا کر آئے ہیں۔
نریندر:۔ معمولی بات ہے۔ تم نے بلایا تھا آ گیا۔

یہ بات سُنکر جیسے رام بھدر کے ہات میں ہفت اقلیم کی سلطنت آ گئی اندومتی کا تذکرہ کرنے کے لئے کسی طرح اس کی ہمت نے تقاضا نہ کیا۔ بولا:۔ وہ تمام باتیں یہاں نہیں کہہ سکوں گا۔ چلو کسی تنہا مقام پر چلیں۔ شاید اُسے شیل بالا کا خوف تھا۔
نریندرناتھ:۔ چلو۔

مکان کے صدر دروازہ کے سامنے ایک مولسری کا درخت تھا۔ دونوں وہاں ہی آ کر بیٹھ گئے۔ اس درخت کی شاخیں نہایت ہی خوبصورتی سے ہر چہار طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ شاخ شاخ میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ بھونرے بیتابانہ انداز سے رس چوسنے کی لالچ سے پھولوں پر بیٹھتے تھے۔ اور اُڑتے تھے۔ رس چوس چوس کر پھر اُڑ جاتے تھے مولسری کے پکے ہوئے پھل کھانے کے لئے دو کوئلیں ادھر اُدھر اڑ رہی تھیں۔ اور رہ رہ کر کوک رہی تھیں۔ رام بھدر کوئلوں کی آواز سُن کر ناراض ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس

درخت کے نیچے اندومتی کے متعلق بات چیت کرنے آیا تھا۔ کس طرح شروع کرے وہ اسی پیچ و تاب میں تھا۔ ادھر کوئلوں کی بے محل کوک اور بھی حارج ہو رہی تھی۔ زبان جیسے منہ سے نکل پڑتی تھی یکایک نریندر ناتھ کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ مہاراج! میری ایک بات مانو گے؟

نریندر ناتھ نے چونک کر کہا:۔ کہو بات کیا ہے؟

رام بھدر کا جسم کانپ رہا تھا۔ بولا:۔ جو بات ہو۔ مانو گے؟ کوئی بری بات نہیں۔

نریندر ناتھ اور بھی متحیر ہوئے۔ بولے:۔ جہانتک ہو سکا مانوں گا۔

رام بھدر:۔ کہتے خوف معلوم ہوتا ہے۔

نریندر ناتھ مسکرائے بولے:۔ خوف کی کیا بات ہے۔ کہو۔

اسوقت رام بھدر کو حوصلہ ہوا نریندر ناتھ کے مکان میں اُس نے بہت سی باتیں کہیں نریندر ناتھ نے نہایت غور سے سب باتیں سُنیں۔ اور مستقل لہجہ میں بولے:۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔ بابا (باپ سے مراد) جو مناسب سمجھینگے کرینگے۔

رام بھدر:۔ میں یہ تمام باتیں ٹھیک کروں گا۔

نریندر:۔ بہت اچھا۔

یہ کہہ کر نریندر ناتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مولسری کی شاخ پر بیٹھی ہوئی دونو کوئلیں آپسکی کلولیں ختم کر کے اُڑ گئیں۔

صرف رام بھدر وہاں بیٹھا بیٹھا نہ معلوم کیا سوچتا رہا۔

چوتھا باب

نریندر کون ہے؟

انندپور نامی گاؤں کے زمیندار شنبھوناتھ رائے تھے۔ رائے مہاشے نہایت ذی حیثیت اور مقتدر شخص تھے۔ گاؤں سے باہر کچھ دور بھی ان کی جائداد تھی۔ اُن کی زمینداری کی آمدنی تقریباً دو لاکھ سالانہ کی تھی۔ اور تجارت وغیرہ سے بھی سال میں ۳۔ لاکھ کے قریب مل جاتے تھے جسے چار لاکھ سالانہ کی آمدنی ہو۔ کہتے ہیں اسپر لکشمی کی پوری پوری نظر ہوتی ہے۔ لکشمی جی رائے

مہاشے کے خزانہ میں براجمان رہتی تھیں زمیندار بابو کی بیوی نہایت ہی حسین اور لکشمی سُروپ تھیں۔ رائے مہاشے اُن سے بہت خوش رہتے تھے۔ بڑے لوگوں کے مکانات جیسے ہوتے ہیں۔ رائے مہاشے کا بھی ویسا ہی تھا۔ بلکہ بعض بعض حصّہ تو نہایت ہی عجیب وغریب اور خوبصورت تھے۔

رائے مہاشے کے مکان میں پانچ حصّے تھے۔ پہلے حصّہ میں بہت بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں اُس میں سکول شفاخانہ۔ رنگ محل۔ اور نوکروں کے رہنے کے لئے مکانات تھے۔ ایک نہایت ہی خوبصورت تالاب بھی تھا۔ اور شمالی حصّہ میں ایک خوشنما باغیچہ تھا جنوب کی طرف ریاست تھا۔ صدر راستہ کی جانب بازار تھا۔ اور وہاں سے ندی بہتی تھی۔

دوسرے حصّہ میں طرح طرح کے خوبصورت بُت۔ بتر۔ سنگتراشوں نے صنعتگری کا کمال دکھایا تھا۔ اس سے ملی ہوئی نشست تھی۔ جو عُمدہ ترین فرش اور نہایت ہی دلکش سامان وتصویرات سے مرصّع تھی۔ تیسرے حصّہ میں دُرگا کی مُورتی تھی۔ اسی حصّہ میں مہمان خانہ بھی تھا۔ سیر وتفریح ہنسی مذاق۔ چہل دلگی کے لئے اسی کے پاس ہی ایک خوبصورت مکان تھا۔ اس کے بعد پھر زنان خانہ کی عمارت تھی۔ یہ دو منزلہ تھی۔ ایک منزل میں رائے مہاشے خود رہتے تھے اور دوسرے میں نریندر ناتھ۔

رائے مہاشے سونے کی غرض سے آئے تھے۔ دیکھا۔ بیوی۔ خوابگاہ میں نہیں ہیں۔ اسوجہ سے اُن کی طبیعت نہیں لگی۔ دام بلا میں گرفتار پرند کی طرح وہ پھڑپھڑانے لگے۔ رائے مہاشے کو بہت ناگوار خاطر ہوئا۔ کسی قدر غصّہ بھی آیا۔ وہ لیٹے نہیں۔ بلکہ بیٹھے ہی رہے۔ کچھ دیر بعد بیوی صاحبہ آئیں۔ آتے ہی اُنہوں نے رائے مہاشے کے مزاج کی حالت کا اندازہ لگا لیا۔ رنگ بدلنے اور اُن کا غصّہ دُور کرنے کے لئے ہنستے ہنستے بولیں۔ درخت کے پتّے طوفان آنے پر بھی نہیں گرتے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ مگر ہوا کا جھونکا اُنہیں دم کے دم میں گرا دیتا ہے۔ رائے مہاشے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور خاموش بیٹھے رہے۔

بیوی نے جب کوئی جواب نہ پایا۔ تو خود ہی بولیں۔ ایسی زبردست بارش! ایسی حالت میں یہاں نہیں ٹھر سکوں گی۔ چلو کوئی اور گھر دیکھیں ۔۔۔۔"

یہ کہہ کر اُنہوں نے جانے کے لئے قدم بڑھایا۔ اور دو چار قدم چلیں۔

رائے مہاشے اُسوقت سخت کشمکش کی حالت میں تھے۔ بیوی کے چلے جانے سے اور بھی طبیعت گھبرائے گی۔ بیچینی بڑھ جائیگی۔ اسی وجہ سے اُنہیں جاتے دیکھ کر مجبوراً ابھمان توڑنا پڑا۔ بولے تمہیں اب جانے کی ضرورت نہیں۔ میں ہی ہار مان لیتا ہوں۔

رائے مہاشے نے اپنا مان آپ ہی توڑ دیا۔ بیوی کی چالاکیاں سمجھ میں نہ آئیں۔

اُسوقت بیوی آکر شوہر کے پاس بیٹھ گئی۔ اور پان کھاتے کھاتے نریندر ناتھ کی شادی کا ذکر چھیڑا۔ نریندر ناتھ رائے مہاشے کے اکلوتے بیٹے تھے۔ نریندر ناتھ کو ناظرین پہچانتے ہی ہیں۔ کچھ اور کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ سسرال اچھی ہونی چاہئے۔ تاکہ نریند وہاں دو چار دن ٹھہریں تو تکلیف نہ ہو۔ بہو حسین ہو۔ بیوی نے اپنی آنکھوں اور ناک کیطرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ آنکھیں ہوں۔ رائے مہاشے کی بیوی کا روپ چمپا کی کلی کی طرح تھا۔ جسم کی ساخت نہایت سڈول اور دلکش تھی۔ اگر کوئی نقص تھا۔ تو صرف یہ کہ ناک اچھی نہیں تھی۔ اور آنکھیں ذرا چھوٹی چھوٹی تھیں۔ مگر رائے مہاشے اسی پر لٹو تھے۔ بیوی بھی اپنی آنکھوں کو خوبصورت سمجھ کر تعریف کرتی تھیں۔ رائے مہاشے نے سچ سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ کسی قدر بڑھا کر کہا۔ تمہاری جیسی چپٹی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی بہو اگر آئی تو لڑکا بھی ہر وقت میری طرح گرویدہ رہیگا۔ یہ مجھ سے بھی نہ ہوگا۔

شوہر کی بات سنکر بیوی کا منہ تھپے کی طرح پھول گیا نتھنے پھلا کر بولیں "اتنا مذاق کیوں؟ اگر میری آنکھیں اور ناک ناپسند تھیں تو شادی ہی کیوں کی؟ دیکھوں گی نہ۔ کہ مجھ سے اچھی بہو کیسے پا جاتے ہو؟ میں بھی کہیں مری نہیں جاتی۔ یہیں بیٹھے بیٹھے سب دیکھوں گی۔

رائے مہاشے نے ہنستے ہنستے کہا۔ تم ناراض ہو یا خوش ہو۔ اگر تم سے اچھی بہو ملیگی تو میں نریندر کی شادی بھی نہ کرونگا"۔

بیوی نے تکبرانہ انداز سے کہا "دیکھی تیری کالی"۔ اور بائیں پیر سے انگوٹھا۔

رائے مہاشے بیوی کی طعن آمیز مسل سنکر دل ہی دل میں ہنسکر بولے۔ تم یقین مانو تم سی کہیں خوبصورت بہو لاؤنگا۔

بیوی کا غصہ کسی قدر کم ہوا۔ بولیں بہت اچھا۔

رائے مہاشے:۔ تم سے بہو کا رنگ بھی اچھا ہوگا۔

بیوی :- کیا میرا رنگ خراب ہے؟
رائے مہاشے :- ہاں! رنگ تو شاید تم سے اچھا نہ ہو۔ خیر! جو نریندر ناتھ کی قسمت میں ہوگا۔
بیوی کسی قدر خوش ہو کر بولیں۔ دیکھوں کیسی بہو آتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ کھانے پینے کا سامان لانے کے لئے چلی گئیں۔

پانچواں باب ۵

دریا کے کنارے!

تختۂ آسمان پر آہستہ آہستہ قدم جماتا ہوا چاند جلوہ افروز ہوا۔ طائران خوشنوا کی نغمہ سرائیوں سے تمام کائنات پر ایک ولولہ انگیز مسرت چھا گئی تھی۔ اُن کی شیریں نوایاں فضائے آسمان کو چیرتی ہوئیں گنبذ گردوں تک جا پہنچیں۔ سننے والے کے دل میں مسرتوں کا ایک ہجوم تھا۔ رنگ رسیا فرط خوشی سے ملار گاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شہنائیوں کی دلکش سُریلی آوازوں سے تمام مکان گونج رہا تھا۔ اور ایک ایک کمرہ فرش فروش سے آراستہ تھا۔
باہو لوگ پھولوں کا گلدستہ رنگین ہاتھوں میں لئے ہوئے فرش مخمل پر عجیب انداز سے بیٹھے ہوئے تھے۔ خوشنما بیلیں پتوں میں اپنا جسم چھپائے جھوم رہی تھیں۔ دو ایک بیلیں فرط خوشی سے اپنے پھلوں کا عکس ندی کے صاف شفاف پانی میں منعکس کر کے ایک عجیب پُرلطف سماں پیدا کر رہی تھیں۔ گیلری میں بکثرت عورتوں کی تعداد آپس میں چہل پہل میں مصروف نظر آ رہی تھی۔ اُن کی متفقہ سُریلی آواز ٹھیٹر کے نغموں کو مات کر رہی تھی۔ بلبل انبساط سے جھومتی ہوئی کبھی اس درخت پر بیٹھتی تھی۔ اور کبھی دوسرے درخت کی شاخ پر اپنی مسرت کے اظہار میں اُس نے تختۂ چمن کو نہایت ہی بارونق بنا دیا تھا۔
"اب دیر نہ کرو بہت وقت گذر گیا۔ لگن کا وقت گذرتا جا رہا ہے۔ شادی کا باجا بجانا شروع کرو" تمام محفل میں کھلبلی مچ گئی۔ باجے والوں نے باجے بجانے شروع کئے۔
"چپ! چپ! اب تماشہ شروع ہونیوالا ہے" یہ کہتی ہوئی عورتیں سیلاب کی طرح امنڈ آئیں۔ شعرا تو توسن خیال پر سوار ہو کر ادھر ادھر خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ رہ رہ کر خیال [illegible]

گھوڑے کی لگام چھوڑ دیتے تھے۔ اے شعرائے شیریں مقال! بھاگو۔ بھاگو۔ آسمان
تمہارے ساتھ جنگ آزما ہونے کے لئے دھاوا مارتا ہوا آ رہا ہے۔ سنو۔ اس کی آواز سنو
بھاگو۔ جلد بھاگو۔ شعراء نے گھوڑے کی باگ موڑ دی۔ بجلی چمکنے لگی بادل گرجنے لگے۔
تمام راگ رنگ بند ہو گئے۔ بابو لوگوں کا مجمع منتشر ہو گیا۔ عورتیں آڑ میں چھپ گئیں۔
آسمان کے اس آسمان ہی میں مل گئے۔ بادل دو چار بار گرج کر شکست کھائی ہوئی
فوج کی طرح نہ معلوم کہاں اُنکی آنکھوں کے آنسو آنکھوں ہی میں خشک ہو گئے۔ زمین
کا سینہ سیراب نہ ہوا۔ صرف دھان کے کھیتوں کی بالیاں لہرانے لگیں۔ کسانوں کے دل
مایوس ہو گئے۔

اس زبردست کشمکش کے بعد رفتہ رفتہ آسمان پر ستاروں کے چراغ روشن ہوئے
رات تقریباً دو گھنٹے گذر گئی تھی۔ بیساکھ کی پُر فضا رات تھی۔ نہایت ہی دلکش اور پُر لطف
ایک طرف نہ ترشح ہو رہا تھا۔ اور دوسری جانب چاند نے اپنی نورانی کرنوں سے صفحۂ قدرت
پر ایک صاف شفاف چادر بچھا دی تھی۔ یہ متضاد نظارہ کیسا دلفریب اور دلربا تھا۔
اچھیامتی ندی کے دونوں کنارے نیلگوں بادلوں کا ہجوم تھا۔ جا بجا خوشنما بیلیں پانی کی
کی طرف جھکی ہوئی نظر آ رہی تھیں کہیں کہیں دو چار خاردار جھاڑیاں تھیں۔ بڑے
درختوں کی شاخیں اچھیامتی ندی کے قدم چومنے میں سرگرمی دکھا رہی تھیں۔ کیلے
پودوں کی قطار پانی میں ڈوبی ہوئی چاند کی کرنوں کا امرت رس پی رہی تھیں۔ کہیں کہیں
گاؤں کے لوگ مٹی ہٹا کر گھاٹ بنا دیئے تھے۔ اسی گھاٹ سے تھوڑی دور پر ایک
چھوٹا سا مکان تھا۔ اس مکان کے مالک شری رام بھدر تھے۔ رام بھدر اسی گھاٹ پر
آ کر بلا ناغہ نہاتے تھے۔ رام بھدر کی پالی ہوئی دو لڑکیاں اس وقت شباب کی منزل میں
قدم رکھ چکی تھیں۔ ان سے ناظرین کا تعارف کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں
کے نام **شیل بالا** اور **اندومتی** تھے۔ دونوں کی پرورش ساتھ ساتھ ہوئی تھی۔
شیل بالا اندومتی کو ساتھ لے کر روز شام کو نہانے دھونے آتی تھی۔ آندھی پانی کی وجہ
سے اس دن نہیں آئی تھی۔

اس وقت آندھی پانی کا نام نہیں تھا۔ شیل بالا اندومتی کے ساتھ ساتھ ایک گیت گاتے گاتے ندی کی طرف چلنے لگی شیل بالا کو گانے سے از حد شوق تھا۔ اُس نے ایک بلی پال رکھی تھی کبھی کبھی اسی کے متعلق خود ہی الفاظ جوڑ کر گاتی تھی۔ کبھی رام بھدر کا مضحکہ اڑانے کے لئے ادھر اُدھر کی کڑیاں جوڑ کر اُسے چڑھاتی تھی۔

ادھر نریندر ناتھ مُونسری کے نیچے رام بھدر کے ساتھ باتیں کر کے مایوسانہ انداز سے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے یکایک اُن کے کانوں میں ایک سریلی آواز پہنچی۔ نریندر ناتھ جیسے اسوقت شراب کے نشہ میں چُور ہو گئے۔ گانا سُننے کے لئے ٹھہر گئے۔ اُس دلکش گیت نے اُن کے رگ و پے میں آرزوں کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ اُن کے قدم وہاں ہی جم گئے۔ چاروں طرف سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ اور اس سنّاٹے میں یہ دلدوز تانیں ایسی معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے رات کے سنّاٹے میں نغمۂ عندلیب! ان کے دل میں رہ رہ کر جیسے چٹکیاں لینے لگا۔

تم بن کون لگا ہے یار!

موہ سدھوا کی اگم بہت ہے　ممتا کی پروائی ہے۔

لوبھ کا لنگر مجھے نہ ہٹائے　بھول گئی ساری چترائی۔

شیل بالا نے یہ گیت ایک ویشنوی عورت سے سیکھا تھا۔ نریندر ناتھ اُسے بیچین ہو گئے اس نغمۂ لطیف کے ایک ایک لفظ نے اُن کے دل میں ایک روحانی سرور کی دھوم مچا دی تھا سامنے دیکھا۔ دو نازک خرام نوعمر لڑکیاں گویا آسمان سے اُتر آئی ہیں۔ اس گیت کے عکس سے دریا کا پانی تموّج میں آ رہا تھا۔ چاند کی صاف شفاف کرنیں پانی میں مسکراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ تمام جنگل۔ آسمان غرض سب کچھ اُس گیت میں ڈوب گیا تھا۔ نریندر ناتھ یکایک چونکے شیل بالا نے اندومتی سے کہا۔ سکھی! رات ہو گئی۔ چل گھر چل!"

نریندر ناتھ نے متحیّر ہو کر دیکھا۔ دونوں نازنین پانی میں پاؤں لٹکائے اور کالے کالے بال کھولے ہوئے بیٹھی ہوئی ہیں۔ نریندر ناتھ نے سوچا۔ یہ مانوی ہیں۔ یا جل دیوی انسان ہیں کیا اس قدر حُسن۔ ملاحت و لطافت ہوتی ہے۔؟ ایسی دلرُبا اور مست کر دینے والی آنکھیں۔ اتنا پاکیزہ اور لطیف چہرہ پھول کی طرح نازک و گداز جسم۔ یقیناً یہ جل دیوی ہیں۔ ایسے

گراں بہا رتن کہاں نظر آتے ہیں؟ رتن سمندر میں کہاں سے آیا؟
نریندر ناتھ اسی اُدھیڑ بن میں تھے۔ اتنے میں شیل بالا اور اندومتی رفتہ رفتہ پانی سے نکل کر گھر کی طرف چلیں۔ اُسوقت نریندر ناتھ کے خواب نوشین کا مزا جاتا رہا۔ نااُمیدی کے خوف سے اُن کا دل کانپنے لگا۔ مایوسانہ نگاہوں سے وہ دونوں کی طرف تاکنے لگے۔ چلتے چلتے شیل بالا نے اندومتی سے کہا۔" سکھی! معلوم ہوتا ہے۔ اب بہت دنوں تک اس طرح ندی میں نہانے دھونے رنگ رلیاں مچانے کا موقع نہیں ملیگا۔

اندو:۔ کیوں سکھی؟

شیل بالا:۔ پانی میں گھڑیال آگیا ہے

اندو:۔ سکھی یہ کیا بات؟

شیل بالا نے دوُر سے نریندر ناتھ کو دیکھ لیا تھا۔ یہ بات اندومتی سے پوشیدہ رکھ کر ہنستی ہوئی گانے لگی۔

کا بے جھلک دکھایو رے موہن

پریم کمان چلا کر پریتم ہر لینا مورا تن من

کا بے جھلک دکھایو رے موہن

گاتے گاتے دونوں چلی گئیں

اندومتی نے پھر رقت درد کے لہجہ میں گانا شروع کیا:۔

کلی کلی رس چوسے بھورا اُڑ اُڑ پھول پہ آئے
دادر مور پپیہا ناچے جیا دُکھ للچائے
تڑپے ہی برسوں سے پیارے آج ہوں پیا نہ آئے
دھیرج کیسی بدھ ھاروں سکھی برہا جور جتائے
ہائے سکھی کیسے من ماروں جیا بہت گھبرائے
آئے ملیں جلدی من موہن اُن بن رہا نہ جائے

چھٹا باب

تعلق

ان واقعات کے بعد نریندر ناتھ کو اندومتی کے گھر جانے کی زبردست خواہش ہوئی۔ اُسکے دل میں رفتہ رفتہ اُس کی محبّت کے خیالات نے بھی اپنا گھر بسایا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے وہ اندومتی کے متعلق بہت کچھ سوچتے رہے۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا کاش! اندومتی جیسا اگر انمول رتن اگر ہات آئے تو کسقدر سُکھی ہوں۔ کتنی بار دیکھ چکا ہوں۔ اور اب بھی دیکھتا رہا۔ پھر بھی بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ کیوں ایسی خواہش ہوتی ہے۔ نہیں کہہ سکتا۔ اس دُنیا میں کتنی ہی خوبصورت اور ماہرو نازنین دیکھیں —— مگر سب بھول گئیں۔ کسی کو دیکھ کر دل میں آرزوؤں اور امنگوں کا طوفان نہیں آیا تھا۔ مگر اسے دیکھ کر دل میں کیوں مد و جزر کا عالم برپا ہو گیا ہے۔ ہائے اُسکی دلفریب ہنسی نے کیوں ایک حشر بپا کر دیا۔ جسوقت اُس ہنسی کا خیال آتا ہے۔ دل میں ایک عجیب و غریب جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہی ہنسی جس میں موسم بسنت کے نو شگفتہ پھولوں کی شگفتگی کا نظارہ تھا اُس کا تصور کرتے ہی دل میں ایک گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔ اندومتی کے اُس دلفریب چہرہ کی یاد آتے ہی دل کے اندر ایک مایوس ہوا کی سرسراہٹ کیوں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ وہ جنگلی پھول ہے۔ اپنا گلا اس سے کیونکر مزیّن کر سکوں گا۔ پھول جنگل میں کھلتا ہے اور ایشور کے چرنوں میں گر کر خشک ہو جاتا ہے۔ اُسے کون پا سکتا ہے؟ میں دل کھو بیٹھا۔ کیوں دیکھا تھا؟ جان دیئے کیوں گیا تھا۔ رام بھدر نے مجھے سبز باغ دکھا کر کیوں اس حسن کے بحر بیکراں میں غرق کر دیا۔ اُس نے ایک ہات نہ آنیوالی شئے کا پتہ بتایا ہے جو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیا کروں گا۔ یہ سب میں کیا سوچ رہا ہوں۔ کیا میں مرد ہوں؟ اگر ایسا ہے۔ تو میری مردانگی کہاں گئی؟

اندومتی میری کون ہے جس اُس کے لئے کیا سوچ رہا ہوں۔ وہ جنگلی پھول ہے۔ جنگل میں ہی رہیگا۔ جنگل کا پھول انسان کے قابل نہیں۔ [illegible] دیوتاؤں کو پیارا ہے۔ [illegible] اندومتی کے پاس سے چلا آیا تو اندومتی کیا سوچتی ہوگی یہ سوچکر بہت پریشان ہوئے۔

یہ خیالات بھی اُس کے دل میں آگئے۔ پھُول کھلتا ہے۔ چاند مُسکراتا ہے۔ اِس سے اِنسان کیوں محظوظ ہوتا ہے۔ پھُولوں کی بوُ ئے خوش ناک کے ذریعہ سے داخل ہو کر اِنسان کے دل کو بیچین کر دیتی ہے۔ یہ کیا اِنسان کا قصوُر ہے۔ میرا دل آگ میں کوُدنا چاہتا ہے۔ جل کر مرنے میں خوف نہیں کرتا۔ اسوقت دل کو کیونکر روک سکوں گا۔ مُنہ بند کیا جا سکتا ہے۔ مگر دل کسی زنجیر سے جکڑا نہیں جا سکتا۔ **شیل** اسے نہیں سمجھ سکتی۔ صرف میرا مضحکہ اڑاتی ہے۔

رام بھدر کے بھی آنکھیں تھیں۔ اِس بیل وحشت کی بات اس سے بھی پوشیدہ نہیں تھی **دیکھ سُنکر دل ہی دل میں** سوچا۔ اندومتی جو بن گنگا کی پُرشور لہروں میں بہا جا رہا ہے زبردست روانی سے اسوقت وہ بالو کا باندھ کی طرح قائم نہیں رہ سکتا۔ **اندومتی** کو بہت پیار کرتا ہے۔ یہ عمر اس قابل نہیں کہ وہ گھر میں رکھی جائے مناسب بھی نہیں ہے۔ کسی قابل لڑکے کے ساتھ ہی شادی کر دینی مناسب ہے۔ لڑکا بھی اچھا ملا ہے۔ متحمل مزاج خوش اطوار اس کے علاوہ نہایت ہی تندرست، جسم دیکھنے میں نہایت ہی دیدہ زیب۔ مال و دولت کی بھی کمی نہیں۔ جیسے **کبیر** کا خزانہ ہو۔ اس سے زیادہ لائق اور موزوں تر لڑکا کیا مل سکتا ہے یہ سب سوچ کر رام بھدر ایک دن نریندر ناتھ کے باپ کے پاس گیا۔ اور شادی کی تجویز پیش کی۔ رائے مہاشے نے سُنتے ہی نامنظور کیا۔ اور کہا۔ لڑکی کے ماں باپ نہیں۔ عزیز و اقارب بھی کوئی نہیں۔ لڑکا سُسرال جا کر دو دن بھی نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص مجلسی قید و بند کیونکر توڑی جا سکتی ہے۔ لڑکی خاندانی ہے۔ اس کا پتہ نہیں۔ ان سب باتوں کے جواب میں رام بھدر نے نریندر ناتھ کی تمام بات چیت اور اندومتی کے حسن کا اجمالی طور پر ذکر کیا۔ اور یہ بھی کہا۔ گوکل پور میں ایک بار بلوہ ہوا تھا۔ سیکڑوں اس بلوہ میں جان بحق تسلیم ہوئے بہتیرے بھاگ نکلے۔ مگر **دھرنی** دھر بابو سے عیال و اطفال کے گاؤں چھوڑنے پر بھی نہ بچ سکے۔ راستہ ہی میں اُن کی اور ان کی بیوی کی موت ہو گئی **رام بھدر کہتے کہتے** رونے لگے مرتے وقت دھرنی دھر بابو نے مجھ سے کہا تھا۔ رام بھدر اگرچہ تم میرے نوکر ہو تاہم میں تمہیں اپنے بزرگ سے کم نہیں سمجھتا۔ تم نے اسوقت میری حفاظت کی ہے۔ تم اپنے جیتے جی میری لڑکی اور رام بابو کی لڑکی کی حفاظت کرنا اس کی ادائیگی میں نہیں کر سکونگا۔ رام بابو

دھرنی دھر کے دوست اور پڑوسی تھی۔ اس لڑائی میں وہ بھی لاولد ہو گئے تھے۔ گوکل پور چھوڑ کر لڑکی کو لئے ہوئے بھاگ آئے تھے۔

رائے مہاشے یہ تمام باتیں سُنکر کسی قدر نرم ہوئے گوکل پور کے دھرنی دھر بابو سے تقریباً سب لوگ واقف تھے۔ اُس لڑائی میں سوائے اُس لڑکی کے اور کوئی نہیں بچا تھا۔ یہ بات بھی عسید بخوبی جانتے تھے۔ صرف یہی نہیں معلوم تھا۔ کہ لڑکی کون ہے۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ مرگئی ہو گی۔ بہت تلاش کرنے پر بھی یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ اسوقت یہ سُنکر کہ اندومتی دھرنی بابو کی لڑکی ہے۔ رائے مہاشے بہت خوش ہوئے۔ بہت دنوں تک وہ ایک خوبصورت اور خوش سلیقہ لڑکی کی تلاش کرتے رہے مگر کوئی نہیں ملا۔ آج رام بھدر کے منھ سے اندومتی کے حسن و اوصاف کا تذکرہ سُنکر دیکھنے کے لئے بیچین ہوئے۔ یہ طے پایا کہ لڑکی دیکھ کر کچھ طے کیا جائیگا۔ رائے مہاشے کی یہ باتیں سُنکر رام بھدر کے دل میں کسیقدر ڈھارس ہوئی۔ سوچنے لگا۔ ایسی لڑکی کہیں نہیں ملیگی۔ تاریخ مقررہ پر رائے مہاشے اندومتی کو دیکھنے جائیں گے +

دوسرے دن رائے مہاشے اپنی بیوی سے بغیر کچھ کہے سُنے اندومتی کو دیکھنے گئے۔ اُس کا حسن و جمال دیکھ کر مفتوں ہو گئے۔ عہد کیا۔ کہ اندومتی کے ساتھ ہی نریندر ناتھ کی شادی کرینگے۔ صرف ایک مرتبہ بیوی سے برائے نام تذکرہ کرکے رائے دلینی ہے۔ اسی وجہ سے آنکو بڑے فخر سے کہا۔ "دیکھو بہو بہت خوبصورت ملیگی۔ تمہاری آنکھیں اور ناک اُس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ تلی کے پھول کی طرح ناک۔ کمل کی طرح آنکھیں۔ دونو ہونٹ نہایت ہی پتلے۔ دانت موتیوں کی طرح۔ ایسی بہو لوگی؟

بیوی نے دل ہی دل میں کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آج بھی اُسدن کی طرح ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ جبھی اتنی باتیں! بظاہر بولی۔ آج پھر وہی مذاق؟

رائے مہاشے نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ نہیں سچ مچ ایسی بہو دیکھ کر آرہا ہوں

بیوی:۔ بہت اچھا۔ دیکھا جائیگا۔

رائے مہاشے ۔ ا کر لڑکا کا سُسرال نہیں جا سکیگا۔ یہ بہو جنگل سے ملی ہے۔

بیوی:۔ میرے لڑکے کو ایک وقت سسرال میں کھانے کا بھی ابھاؤ۔ اگر بہو لکشمی ہے۔ تو ہونے دو۔ ایسی بہو کہاں دیکھی؟

رائے جہاشے:۔ قریب ہی۔

اسوقت رائے جہاشے بیوی سے زمیندر ناتھ کی شادی کے متعلق طرح طرح کے مشورے کرنے لگے۔

بدھ کو نربیندر ناتھ کی شادی تھی۔ صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ رائے جہاشے کا مکان مہمانوں سے بھرا تھا۔ دس دن تک خوب ناچ رنگ اور تان ترنگ کی بہار رہیگی۔ مکانات نہایت ہی دلفریب اور دلکش سامان مرصع کئے گئے تھے۔ جھاڑ فانوس نہایت خوشنما نظر آتے تھے دیواروں سے خوبصورت تصاویر آویزاں تھیں۔

تماشائیوں کی کثیر تعداد سیلاب کی طرح امنڈی چلی آرہی تھی۔ لوگ دیکھنے تھے۔ جاتے تھے۔ بعض بعض تصاویر دیکھ کر لوگ ہنستے تھے۔ کوئی کوئی فرط حیرت سے دنگ تھا۔ کسی کیلئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ جو جہاں جو کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے کوئی بندش نہیں تھی دس بجے رات کے قریب اچھی ساعت میں نربندر ناتھ کے ساتھ اندومتی کی شادی ہوگئی رام بھدر کی اتنے دنوں کی خواہش پوری ہوئی۔

ساتواں باب

دونوں کا ملاپ

نہایت ہی پُرفضا اور پرسکون رات تھی۔ تمام مکان رشک چمن بنا ہوا تھا۔ خوشی کی دیوی اپنی سکھی سہیلیوں کے ساتھ محو خرام تھی۔ ہوا مستی سے جھومتی پھرتی تھی۔ درختوں کے پتے پتوں پر ایک عجیب و غریب ملاحت نظر آتی تھی۔ شاخیں پھول پھل سے لدی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ رات نے ستاروں کی مالا پہن لی تھی۔

نربیندر ناتھ کی شادی ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہوگیا۔ رات کا یہ پُرفضا حسن دیکھ کر نربیندر ناتھ اندومتی کو ساتھ لے کر باغیچہ میں آئے۔ اور فرط محبت سے متوالے ہوکر سیر و تفریح کا حظ اٹھانے

لگے۔ ٹہلتے ٹہلتے اندومتی نے گل و بوٹوں کی رعنائیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ دیکھا۔ ایک ایک شاخ پھولوں سے لدی ہوئی ہے۔ دلاویز مگر نوشگفتہ پھولوں کی بوئے خوش سے تمام چمن طبلۂ عطار بنا ہوا تھا۔ بھونرے رس چوس رہے تھے۔ بین کی آواز میں سرمست سانپ کی طرح۔ پھولوں کی بوئے خوش کہیں اس پھول کی بو سے ٹکراتی تھی۔ اور کبھی اُس سے۔ گویا وہ اپنی زبردست محبت کا ثبوت دے رہا تھا۔ چھی بھنور مرا! تمہاری یہ حرکات قابلِ تحسین نہیں۔ تمہاری ان شوخ حرکات کو دیکھ کر کوئی تمہیں پیار نہیں کریگا۔ کامنی کا پھول کسقدر لطیف و نازک ہے وہ دور سے ہی اپنی خوشبو ہر شخص کو دیتا ہے۔ مگر کسی کو اپنے آپ پر ہاتھ لگانے نہیں دیتا۔ بھونرا اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لئے کامنی کے پاس آیا۔ اُسپر بیٹھتے ہی پھول کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ گویا کامنی زبانِ حال سے کہہ رہی تھی۔ منہ سے کہنے والی محبت نہیں چاہتی جاؤ تم بھاگ جاؤ۔ بھونرا اسوقت بھن بھن کرتا ہوا اطمان میں ڈوبی ہوئی کیتکی کے پاس گیا۔ کیتکی اپنا اداس منہ بنائے خاردار گھونگھٹ نکالے سوچنے لگی وہ آج تمہیں رُلا رُلا کر چھوڑوں گی۔ بھونرے نے یہ بات نہیں سمجھی۔ وہ کیتکی کا گھونگھٹ ہٹا کر منہ دیکھنے کے لئے زبردست کوششیں کرنے لگا۔ حتیٰ کہ خود بھی انہیں کانٹوں میں اُلجھ گیا۔ تب بھونرے نے لامعلوم زبان میں کیتکی سے کتنی ہی منت و سماجت کی۔ کتنا رد یا گایا۔ مگر کامیاب ہوا بالآخر رو دھو کر بھاگ گیا۔ نریندر ناتھ و اندومتی بھونرے کی یہ جدّوجہد دیکھ کر ہنس رہے تھے

اندومتی نے ہنستے ہنستے کہا:۔ ناتھ! پھول کیوں کھلتے ہیں؟

نریندر:۔ مرنے کے لئے۔

اندو:۔ پھر اس کھلنے سے فائدہ کیا؟

نریندر ناتھ نے ذرا مسکرا کر کہا:۔ اپنی خوشبو سے کائنات کو معطر کرنے کے لئے!

اندومتی نے اور کچھ نہیں کہا۔ وہ پھول چننے کے لئے چلی۔ نریندر ناتھ دور کھڑے ہوئے اندومتی کی یہ حرکات دیکھنے لگے دیکھا فضائے دہر میں گویا اندر لوک کی اپسرا آگئی ہے۔ اور وہ پھول چن رہی ہے۔ اندومتی نے ایک سیاہ فیتہ سر میں لگا رکھا تھا۔ ساڑی کا آنچل سر سے سرک گیا تھا۔ یہ دیکھ کر نریندر ناتھ نے سوچا۔ گویا سیاہ سانپ آہستہ آہستہ

اُس صاف شفاف جسم پر پھسل رہا ہے۔ اندومتی کی مستانہ چال دیکھ کر خیال آیا۔ مَن کے عشق میں ڈوبی ہوئی رتی دیوی گویا کام دیو کی چِتا دلی سے شکستہ دلی سے آہستہ آہستہ قدم جاتی ہوئی مست خرام ہے۔

اندومتی پھول چُن کر نریندر کے پاس آئی۔ اور کہا۔ آؤ۔ بیٹھیں

نریندر۔ اندو! کہاں؟

اندو۔ کیوں! اس درخت کے نیچے یہ کہہ کر اندو نے ایک درخت دکھایا۔

اس کے بعد دونوں اُس درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اُس درخت کے حُسن کا کیا کہنا! ایک ایک شاخ پھول سے لدی ہوئی تھی۔ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کسی نے سبز مخمل پر ستارے ٹانک دئے ہیں۔ اندومتی نے وہاں بیٹھ کر ہار گوندھنا شروع کیا۔ نریندر ناتھ اندو کی گود میں اپنا سر رکھ کر آرام کرنے لگے پتوں کو چھیدتی ہوئی چاند کی صاف شفاف منور کرنیں اندومتی کے چہرے پر پڑنے لگیں۔ نریندر ناتھ لیٹے لیٹے نیم باز آنکھوں سے اندو کے چہرے پر چاند کی کرنوں کا دلفریب رقص دیکھنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے وہ اُس حُسن کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہو گئے۔

اندومتی ہار گوندھتی جاتی تھی۔ کیوں رو رہی تھی؟ یہ نہیں کہہ سکتی تھی ان آنسوؤں نے ہار کی زیب و زینت میں ایک عجیب دلکشی پیدا کر دی۔ پھولوں پر وہ آنسوؤں کے قطرے موتی کی طرح نظر آ رہے تھے۔ یکایک آنسوؤں کی ایک دو بوندیں نریندر ناتھ کے جسم پر پڑیں۔ نریندر ناتھ چونک کر اُٹھ بیٹھے۔ اور مضطربانہ انداز سے بولے "اندو! یہ کیا؟ روتی کیوں ہو؟"

اندومتی خاموش رہی۔ نریندر ناتھ نے پھر کہا "اندو بتاؤ کیا ہوا؟"

اندومتی نے آنچل سے آنسو پونچھ کر کہا "کچھ نہیں"

یہ کہہ کر نریندر ناتھ کے چہرے کی طرف پپیہا کی طرح پیاسی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

نریندر ناتھ نے کہا۔ "چھی! کوئی جھوٹ بھی بولتا ہے؟

اندومتی دل ہی دل میں بے چین ہو گئی۔ سوچنے لگی۔ شوہر کا درجہ دیوتاوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ دیوتاؤں کے سامنے جھوٹ بولنے سے چھٹکارا ہو سکتا ہے؟ یہ سوچ کر اُس نے

ایک گہرا سانس لیا۔ بولی:۔ "ایک بات کا خیال آگیا تھا"
نرمیلدرے بیتابانہ انداز سے کہا:۔ کونسی بات۔ اندو!
اندو نے مضطربانہ نگاہوں سے دیکھ کر درد انگیز لہجہ میں کہا:۔ "میں ہمیشہ کی دکھیاری ہوں
ایسے زبردست سُکھ سے محظوظ رہونگی۔ ان جلے نصیبوں میں یہ کہاں؟ یہ کہتے کہتے۔ اندومتی
کی آنکھوں سے تیزی کے ساتھ آنسو بہنے لگے۔ ان آنسوؤں کے پانی میں اس کا پھول
جیسا دُھل کر اور بھی نکھر آیا۔ آہا! کیا حسن دلاویز تھا۔ جیسے دیکھنے کے لئے بار بار طبیعت
چاہتی تھی۔ بدھاتا نے تجھے آنسوؤں سے بھرپور کیوں نہ کر دیا۔ آنسوؤں کی لیلا اگر سمجھ میں
آتی۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ کاش! ان دونوں بڑی بڑی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر موجزن
رہتا۔ تو ان گلابی گالوں کو ہمیشہ اُنھیں آنسوؤں سے دھو کر شگفتہ رکھتا۔ نرمیدرناتھ کے دل
میں بھی خیالات موجزن تھے۔ اندومتی کے ملاحت دار چہرے پر وہ آنسوؤں کی روانی۔ اور
آنکھوں میں وہ مدوجزر کا عالم دیکھ کر کون ایسا تھا۔ جو بیخود نہ ہوجاتا۔
اندومتی! ہم جانتے ہیں۔ دُنیا میں تم رونے کے لئے ہی آئی ہو۔ روؤ! رونے میں خوف
کی کیا بات ہے؟ دنیا اسی طرح روتی رہتی ہے۔
اندو! آسمان روتا ہے۔ سمندر روتا ہے۔ اسی رونے میں دُنیا کو شانتی ملتی ہے۔ اگر آنسو
نہ ہوتے تو دُنیا میں زندہ رہنا غیر ممکن تھا۔ پتھر کے سینہ میں آگ مضمر ہے۔ اسی وجہ سے
اُس کی ہستی ہے۔ اُس کے دل میں جو زبردست آگ شعلہ زن ہے۔ اسے ہم تم کیونکر
جان سکینگے؟ آسمان تمام دن جلتا رہتا ہے۔ بیچ بیچ میں پانی آکر اُس کو تسکین و تشفی
دیتا رہتا ہے۔ سمندر کی تلاطم خیز لہریں دیکھ کر دل میں کچھ نہ سوچنا کہ سمندر کے دل میں سوائے
خوشی کے غم کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ سمندر کے دل میں غوطہ لگا کر دیکھو۔ وہ بھی جل
جل کر رو رہا ہے۔ اُس کے اُوپر نیچے زبردست آگ مشتعل ہے۔ کیا خوشی سے سمندر کا ہنستا ہوا
روتا ہے؟
ہم تم بھی روتے ہیں۔ ہم رونے کا وقت جانتے ہیں۔ دکھانے کے لئے دیکھ بھی سکتے ہیں۔
اندو! تم یوگنی ہو۔ ہنسو گی کیوں؟ ہنسی کو بھی موت کی گود میں پناہ لینی پڑتی ہے۔ پھول

مرنے کے لئے ہی ہنستا ہے۔ بجلی مرنے کے لئے بھی چمکتی ہے۔ شبنم ہنستے ہنستے ہی مر جاتا ہے اس لئے اندومتی! تم روؤ۔ ہم تمہیں اس دنیا کی مہارانی کہینگے۔

نریندر ناتھ نے اندومتی کے گالوں سے آنسو پونچھ کر کہا "چھی!! ان سب باتوں کے سوچنے کی ضرورت نہیں۔

اندومتی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

آٹھواں باب

دشمن

انسان کو قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خوشی کے سر پر ہر وقت غم منڈلایا کرتا ہے دم کے دم میں خوش قسمتی کا ستارہ بدنصیبی کے بحر ذخار میں غرق کر دیتا ہے۔

گوبندپور کے زمیندار بابو گوبند بندھو گھوش تھے۔ گوبندپور، آنند پور سے ذرا فاصلہ پر تھا۔ اسی وجہ سے رائے مہاشے اور گھوش بابو سے عرصہ دراز کا ربط ضبط تھا۔ مگر نریندر ناتھ کی شادی کے بعد لسانوں کے معاملہ میں دونوں میں کچھ کھچ چل گئی تھی۔ اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ بہت زیادہ مہمان نوازیوں سے انسان بات کرنے تک کا روادار نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ دشمنی بڑھنے لگی۔ اسی وجہ سے بہت سی سازشیں کی گئیں اور جعلی مقدمے بنائے گئے۔ مگر دھرم کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔ گھوش بابو نے جھوٹا فساد بے تمیزی برپا کئے تھے۔ رائے مہاشے ان سب میں فتحیاب ہوئے۔ گھوش بابو کو سزا ہوتی۔ لئے مہاشے کی خواہش نہیں تھی ورنہ وہ انہیں جیلخانہ پہنچا سکتے تھے۔

گھوش بابو بہت زیربار ہوئے۔ رفتہ رفتہ جھگڑے بڑھتے گئے۔ اور ایک معمولی مقدمہ میں گھوش بابو کی تمام جائداد کا صفایا ہو گیا

اتفاقیہ وہ بیمار پڑے۔ بخار آنے لگا۔ بستر موت پر دراز ہوئے۔ بیٹے کو بلا کر کہا۔ جس طرح ممکن ہو۔ ایسی کوشش کرنا۔ کہ رائے کے گھر میں کوئی چراغ تک جلانیوالا نہ باقی رہے۔ اگر یہ نہ کر سکو۔ تو کسی طرح اس خاندان میں کلنک کا ٹیکا لگا دینے کی کوشش ضرور کرنا تاکہ

دُنیا ان کی انگشت نمائی کرے بیٹے نے باپ کی آخری نصیحت بڑے غور سے سُنی اور باپ کو اطمینان دلایا۔

پر توُل گوبند جدھو گھوش کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد رلئے جہاشئے کو کسی طرح زیر نہ کر سکنے پر کلنک لگانے کی کوششیں کرنے لگا۔ سوچ سمجھ کر اُس نے ایک سہل راستہ پر چلنے کا ارادہ کرلیا۔

نواں باب ۹

گورمنی انسانی قوم کی ابلا تھی۔ صرف یہیں تک معلوم تھا۔ نام کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق تھا یا نہیں۔ تتو کوش میں یہ بات نہیں لکھی تھی۔ گورمنی کے ساتھ گورنگ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ گورمنی اِس دُنیا میں ہے یا نہیں۔ سو تو کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ گورمنی بیوہ تھی۔ یا کہ معلوم نہیں۔ مگر سادے کپڑے پہنتی تھی۔ مانگ میں سیندور کا ڈورا نہیں تھا۔ بڑ کا درخت جیسے تیل اور سیندور لگاتا ہے۔ گورمنی پہلے بھی نہیں لگاتی تھی۔ گورمنی چاروں برنوں میں سے کس برن میں تھی۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے۔ اُس کا رنگ کسی قدر سانولا تھا۔ کچھ بہت خوبصورت نہیں تھی۔ بلکہ خط و خال بھدے تھے۔ وہ گانے کی بڑی شائق تھی۔ آواز رسیلی تھی۔ اُسکی زمزمہ سنجیوں میں بہتوں نے اپنا دل پھنسا دیا تھا۔ سب کہتے تھے۔ گورمنی سدھ عورت ہے جسے ایک بار چھو لیتی ہے۔ وہی سدھ ہو جاتا ہے۔ انسان ہی کیا بلکہ اُس کے ہات کا چھوا ہوا کھانا بھی لذیذ ہو جاتا ہے

ڈھول میں جھول [ترکاری کا شوربا] اور طبلہ میں ترکاری کا مزہ آتا تھا۔ گورمنی میں اتنے گن تھے۔ پھر کیوں نہ لوگ کھنچتے۔

ایک دن رات کو گورمنی خود ہی گا رہی تھی۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا گورمنی دروازے کی کھٹکھٹاہٹ سُنکر سانڈ کی طرف ناک سے پھنکارنے لگی۔ مگر دروازہ نہیں کھولا۔ اس وقت وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکی۔ مُنھ کو آنچل میں چھپا کر آہستہ آہستہ ہنسنے لگی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ رات کو بھی نہیں چین لینے دیتے۔ ابھی چوکیدار کو بلاتی ہوں۔ -

چوکیدار کا نام سُن کر آنیوالا نہایت ہی خائف ہُوا۔ آہستہ آہستہ بولا میری گورمنی! دروازہ کھولو۔ میں ــــ ہُوں ــــ"

گورمنی نے زندگی بھر میں ایسی پیاری آواز نہیں سنی تھی۔ میری گورمنی!" اس لفظ نے اُس کے دل میں بجلی کا اثر سرایت کر دیا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے گئی مگر کھول نہ سکی دروازہ کے پاس ہی کھڑی رہی۔ جلد جلد کھولنے کے لئے کتنی بار خواہش کی۔ مگر ایک بار بھی ہمت نہ پڑتی۔ بالآخر وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوُا۔ گورمنی اسے پہچانتی تھی۔ دیکھتے ہی خوشی سے پھُولی نہ سمائی۔

آنے والے گھر میں داخل ہو کر گورمنی سے دروازہ بند کرنے کے لئے کہا۔ وہ بند کر کے مضطربانہ انداز سے بیٹھ گئی اُس شخص نے ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی اُس کی رگ و پے میں ایک بجلی کا اثر دوڑ گیا سامنے بیٹھے پر گورمنی کانوں میں اُس شخص نے کیا کہا۔ کہ معلوم نہیں کیوں گورمنی کو جیسے غش آ گیا۔

گورمنی نے اُس شخص کی باتیں نہایت ہی غور سے سُنیں۔ اور غور کرنے لگی۔ اس کے بعد ارادہ کیا۔ کہ ضرور یہ کام کروں گی۔ اور اگر اس کام میں مجھے جان دینے کی بھی ضرورت پڑی۔ تو اس سے بھی دریغ نہ کروں گی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہ سوچ سکی۔ یکایک اُس نے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ وہ سوچنے لگی۔ دل میں بسو گے کیا؟

جواب:۔ "بیٹھتے بیٹھتے ہی بیٹھوں گا۔ مقصد براری کے لئے تو ضرور ہی بیٹھنا پڑیگا۔

سوال:۔ مقصد براری کے لئے بیٹھوگے۔ اس کا اعتبار کیا ہے؟

جواب:۔ مزید پختگی کی کیا ضرورت؟ کیا آجکا آنا اس بات کی دلیل نہیں۔

سوال:۔ کسی اور کام کے لئے آئے ہو۔ پھر کیونکر یقین آئے۔

گورمنی کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ کسی کو مٹی میں ملانے سے کیا فائدہ؟

سوال:۔ اگر کام کرنے بعد کہیں چلے جائیں۔

جواب:۔ کہاں جاؤ گے؟

سوال:۔ جہاں اُس کی خواہش ہو۔

جواب:۔ کیا گورمنی کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ بالکل غیر ممکن ہے کیونکہ گورمنی اپنا سر کٹوا لے گی
سوال:۔ تم کیا کرو گے؟ کوئی جج تو نہیں ہو۔ کہ کچھ بُرا بھلا کر سکو گے؟
جواب:۔ میں جج نہیں۔
ابتک آنے والا شخص گورمنی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رہ رہ کر گورمنی مُنھ بناتی جاتی تھی۔ اِس سے اُسے کچھ خوف معلوم ہوتا تھا۔ مگر گورمنی نے ہنسکر کہا۔ چاہے میری جان چلی جائے مگر کام ضرور کروں گی۔ وہ شخص خوش اپنے گھر آیا۔

دسواں باب

صُبح ہوئی گورمنی بستر سے اٹھی۔ جلد جلد اپنا کام ختم کر کے رائے مہاشے کے کی طرف روانہ ہوئی۔ کیوں؟ نہیں کہہ سکتے۔ مگر کسی خاص مقصد سے ملی۔ گورمنی کے مکان سے رائے مہاشے کا مکان کچھ بہت دُور نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ کا راستہ تھا۔ بیخوفی سے وہ رائے مہاشے کے مکان میں داخل ہوئی۔ اُسوقت تقریباً آٹھ بجے تھے۔ رائے مہاشے کی بیوی سوکر اُٹھی تھیں۔ گھر کے اور لوگ مالکہ سے پہلے ہی اُٹھے تھے مالکہ نے گورمنی کو صُبح صُبح دیکھ کر کہا۔ کیوں گورمنی!! اتنے دنوں تک کہاں تھیں۔ نریندر کی شادی کے بعد تو ایک دن بھی نہیں دیکھا۔
گورمنی رائے مہاشے کے گھر کی نائن تھی۔ اگر وہ گھر کی نائن نہ بھی ہوتی۔ تو بھی مالکن گورمنی کو بہت پیار کرتی تھیں۔ گورمنی ہمیشہ رائے مہاشے کے گھر جایا کرتی تھی۔ کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ یہ بات صرف مالکہ کی وجہ سے حاصل تھی۔
گورمنی نے مالکہ کی بات سُنکر آہستہ سے کہا:۔ اُس دن موسی جی آئی تھیں۔ وہ گھر جاتے ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ لیتی گئیں۔ آج تقریباً دو ماہ بعد واپس آئی ہوں۔ اسی وجہ سے آپ کو دیکھنے آئی ہوں۔
گورمنی نے سب باتیں جھوٹ کہیں۔ اس کا سبب یہ تھا۔ کہ گورمنی کو اپنا کہنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ کبھی اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی تھی۔ مرنے تک بھی کہیں جائے گی

یا نہیں - جانے کی جگہ تو تھی - لوگوں کے گھر بھی تائن کے لئے سب کچھ ہیں - مالکہ نہایت ہی سادہ لوح تھیں - اس لئے انہوں نے گورمتی کی بات پر یقین کر لیا - بولیں :- میرا خیال ہے تو نے آجکل میری بہو کو نہیں دیکھا - جا دیکھ جیسے سونے کی مورتی - میری بہو کتنی ستی ہے
قدرتاً اندومتی کا حسن و ملاحت ساون کے پانی کی طرح زور شور سے رواں دواں نظر آتی تھی - اس کے جوبن کا ابھار نایک کے میل و ملاپ سے روز افزوں ترقی کرتا جا رہا تھا گورمتی کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوئی - وہ کسی کی تعریف سنکر کبھی خوش نہیں ہوتی تھی - کسی کے سکھ کی بات سنکر اس کے تلووں میں جیسے آگ لگجاتی تھی - مشکوک لہجہ میں بولی :-
ایسی خوبصورت بہو ! یہ کہکر وہ کھانسنے لگی -
مالکہ نے سوچا کھانسی آتی ہے - اسی وجہ سے بات بُری طرح نکلی ہے گورمتی کا پاجی پن نہیں سمجھا - بولی :- شاید ابھی تک نہیں اٹھی - بیچاری تمام دن کام کاج کرتی رہتی ہے -
ذرا بیٹھ تو سہی - گھر جاتے ہوئے دال چاول لیتی جانا -
گورمتی حسوقت رائے مہاشے کے گھر آتی تھی مالکہ اُسے دال چاول دیا کرتی تھی -
پہلے کی طرح آج بھی دینے پر تیار ہوئی - گورمتی نے کہا :- کیا دال چاول کے لئے آئی ہوں آپ کے نمک سے میرے سات پشت کی پرورش ہوتی آئی ہے - آپ جانتی ہیں - میں کھیتر کے پاس سے آ رہی ہوں -
کھیتر کا پورا نام کشیترمنی تھا - گورمتی حقارت سے اُسے کھیتر کہا کرتی تھی - کشیترمنی رائے مہاشے کی بہو کی داسی تھی - اسوقت گورمتی محل کے اندرونی حصوں میں گھومنے لگی - مگر کہیں اندومتی کا پتہ نہ چلا - اندومتی کو بدنام کرنا ہی اس کا مقصد تھا - کھیترمنی کے پاس سے آ رہی ہوں - " یہ بھی سراسر جھوٹ تھا - یکایک کشیترمتی گورمتی کے سامنے آ کھڑی ہوئی - گورمتی نے ہنستے ہنستے کہا - کیوں بہن اب تم سویرے نہیں اٹھتیں -
بڑے لوگوں کے گھر میں رہتے رہتے خود بھی بڑی بن گئی ہو -
کشیترمتی نہایت ہی سادہ لوح لڑکی تھی - اس طعن آمیز گفتگو کا مطلب نہ سمجھ سکی بولی :- کیوں بہن ! میں تو بڑے سویرے اٹھتی ہوں - تم کب آئیں ؟

گورمتی نے لاپروائی سے [illegible] ان باتوں کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں دیکھا گویا دنیا دیکھ لی۔

کشیر متی [illegible] میں نے کوئی قصور کیا ہے۔ لجاجت آمیز لہجہ میں بولی:- بہن میں داسی باندی ہوں۔ موقع پانے پر ہی تو ملونگی۔ پرائی غلامی کرتے ہی ہماری زندگی گذر گئی۔ یہ کہہ کر وہ چلنے لگی گورمتی نے پھر کہا:- ذرا بیٹھو تو بہن اتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی۔ دو ایک سکھ دکھ کی باتیں تو کرو۔

کشیر متی:- بہن میرا سکھ دکھ کیا۔

گورمتی نے دیکھا کشیر متی اچھی طرح باتیں نہیں کرتی شاید بات چیت کرنے کی اس کی خواہش بھی نہیں ہے۔ اس لئے اپنا مقصد حل کرنے کے لئے بولی:- بہن! بہو کہاں گئی؟ یہ کہکر منہ ٹیڑھا کر لیا کشیر متی نے اس کی یہ حرکت نہیں دیکھی بولی:- کھڑکی کے پاس والے باغیچہ میں ہوگی بہن! بڑی خوبصورت بہو ہے۔ گورمتی اسوقت پاؤں ٹپکتی ہوئی جلدی جلدی باغیچہ میں گئی۔ دیکھا اندومتی وہاں ہی ہے۔ ناک سکوڑ کر بولی۔ کیوں بہو! یہاں کیوں۔ رانی ہوکر زمین پر بیٹھی ہو۔

اندومتی توجہ کے ساتھ پھول چننے میں مصروف تھی۔ گورمتی کی بات نہیں سن سکی۔ گورمتی کو غصہ آگیا۔ ذرا ذرا سی بات پر غصہ ہو جاتا۔ اس کی جبلی عادت تھی۔ کرخت لہجہ میں بولی - واہ! اسقدر دماغ!! پر پتھر پڑینگے پتھر۔ بڑے لوگوں کی بہو ہونے پر غرور کو پاؤں تلے رکھنا پڑتا ہے۔ یہ غرور بہت جلد چور ہو جائے گا۔

اندومتی گورمتی کو نہیں پہچانتی تھی سسرال میں آکر بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے گورمتی کی ان طعن آمیز باتوں کو سنکر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بولی کیوں جی۔ گالی کیوں دیتی ہو۔

گورمتی نے پھر بھویں چڑھالیں اور طعن آمیز لہجہ میں بولی:- مجھے نہیں پہچانتی؟ میں تیرے لئے جم ہوں۔

یہ کہکر گورمتی جلدی جلدی وہاں سے چلی آئی۔ دیکھا ڈوبے ٹھاکر ادھر ادھر گھومتے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں۔ شرربار نظر ڈالتی ہوئی گورمتی وہاں سے چلی گئی۔

گیارھواں باب ۱۱

خوفناک خواب

تقریباً دس بجے رات کا وقت تھا۔ اندومتی نے اپنے ہاتھ سے اپنا بستر بچھایا۔ باغیچہ سے جو پھول لائی تھی۔ وہ چاروں طرف قرینہ سے رکھے مسہری کی جھالر میں جوہی کے متعدد ہار لٹکائے پھولوں کی بوئے خوشبو سے تمام کمرہ معطر و معنبر ہو رہا تھا۔ اندومتی پلنگ پر بیٹھی ہوئی نریندرناتھ کا انتظار کرنے لگی مگر نریندرناتھ نہیں آئے رفتہ رفتہ رات بھیگنے لگی۔ جوں جوں رات زیادہ جاتی تھی اندومتی کی بےچینی اور گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی اب آتے ہیں۔ اب آتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ کھڑی ہو جاتی تھی۔ مگر مایوس ہو کر پھر بیٹھ جاتی تھی کبھی کبھی فرط اضطراب سے اُٹھ کر دروازہ کے پاس جاتی۔ دیکھتے دیکھتے کتنی ہی دیر ہو گئی۔ پھر بھی نریندرناتھ نہیں آئے۔ اسوقت اندومتی پاگلوں کی طرح گھبرا اُٹھی۔ اور اپنے بال بکھیرنے لگی۔ پھول بکھر گئے۔ مجبوراً پلنگ پر لیٹ گئی۔ تمام بستر پر پھول بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھ جھپک گئی۔ اور خواب میں دیکھنے لگی۔ آسمان کے مغربی حصہ میں جیسے زبردست آگ لگ گئی ہے۔ ڈوبتا ہوا سورج ایسا نظر آتا تھا۔ گویا آگ کا شعلہ ہے۔ اور تمام دنیا کو آگ کے روپ میں ملانے کے لئے۔ آسمان کی سرخی شعلہ زن آگ کی طرح سب کو اپنے پیٹ میں لپٹی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ خوفناک آگ ہر طرف شعلہ زن نظر آ رہی تھی۔ رات کی تمام تاریکی نے اس آگ میں جلکر آگ کا روپ اختیار کر لیا۔ بیچ بیچ میں وہی مشتعل آگ اپنے شعلوں کو ساتھ لئے ہوئے ایک ہی جھپٹے میں کائنات کی ہر چیز کو اپنے آپ میں جذب کرتی جا رہی تھی۔ اُف! کیسی زبردست آگ تھی!! ہر چیز آگ کا شعلہ دکھائی دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا قیامت آ گئی۔ وہی مشتعل آگ بجلی کے کوندھوں کی طرح کڑکتی ہوئی۔ تمام کائنات پر ایسا تسلط بٹھا رہی تھی۔ اس خوفناک آواز سے چرند پرند سب خائف نظر آ رہے تھے۔ کائنات کا ایک ایک ذرّہ گویا اسی آگ میں جل رہا تھا۔ اندومتی بھی اسی آگ میں جل کر اپنے خاتمہ کا انتظار کر رہی تھی۔ اس خوف سے اس کا جسم ہوا کے زور سے ہلتے ہوئے کیلے کے پتّے

کی طرح کانپنے لگا۔ وہ جیسے شمشان میں پہنچ گئی۔ اور نیم سوختہ لکڑیوں کی طرح سلگنے لگی معلوم نہیں کون اس نظارے کو دیکھ کر زور زور سے ہنس رہا تھا۔ اور تمسخر آمیز فقرے چُست کرتا تھا۔

یکایک ایک شعلہ آکر اندومتی کے کپڑوں میں پڑ گیا۔ اُس کا کپڑا جلنے لگا۔ اسوقت اندومتی نے دونوں ہات جوڑ کر ایشور کو پکارنا شروع کیا۔ اے مصیبتوں کے دور کرنیوالے شری مدھوسودن مجھے نہ جلانا۔ ابھی تک میں نے اچھی طرح اپنے دیوتا کی پوجا نہیں کی۔ یہ کہتے کہتے اسے ایسا احساس ہوا۔ گویا اس کا آدھا بدن جل گیا۔ پھر بھی وہ اپنی درخواست پیش کرنے سے باز نہ رہی۔ عقیدت آمیز لہجہ میں ایشور کے روبرو چلاتی ہی رہی۔ اُسی لئے دیوتا کی پرستش کا طریقہ سیکھا تھا۔ دیامئے! ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ گویا آدھا جسم جل گیا ہے تاہم رحم و کرم کی امیدوار ہوں۔ میری رکشا کر۔ جنم جنم کی دکھیاری ہوں۔ مگر ایشور نے اُسکی اس رقت اور منت و سماجت پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اگر سن لیتے تو دنیا میں اُسے اور کس چیز کی خواہش تھی۔

صرف یہی دکھائی دیا۔ اُس شعلہ زن آگ میں ایک نہایت ہی پاکیزہ صفات نازنین لمبی لمبی لٹیں چھٹکائے گیروے کپڑے پہنے۔ ترشول لئے ہوئے کھڑی ہوئی ہے۔ اُسے دیکھ کر اندومتی کو کسیقدر حوصلہ ہوا۔ اُس مورتی نے اندومتی کے دل سے جیسے تمام خوف نکال دیا۔ اور محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ بیٹی! تو کسی قسم کا خوف نہ کرنا۔ تجھ پر زبردست مصیبت آنے والی ہے۔ طرح طرح سے تیری آزمائش کی۔ یہ آخری امتحان ہے۔ اس مرتبہ طرح طرح کے دکھوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر اس امتحان میں پوری اُتری تو تجھے سورگ ملیگا۔ تیرے دیوتا کی پوجا کا اندازہ ابھی سے لگایا جائیگا۔ دنیا خوفناک جگہ ہے۔ یہاں لالچ کا راج ہے۔ اس لالچ میں پڑ کر دیوتا کی پوجا نہ بھول جانا۔ دم بھر اسی قسم کی گفتگو کرتے ہوئے وہ نازنین اسی شعلہ زن آگ میں مل کر ایک ہو گئی۔ اندومتی نے پوچھا۔ ماں! بارہا امتحان لے چکی ہوں۔ پھر یہ آزمائش کیوں؟ ان امتحانات کا مطلب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہے۔ ماں! یہ تمہاری کیا ریت ہے۔ آگ کے اندر سے پھر جواب ملا۔ بیٹی! جتنی

بار آزمائش کی ہے۔ تو پوری اتری ہے۔ اس مرتبہ تجھے صرف سورگ لیجانے کے لئے آزمائش کی جا رہی ہے۔

اندومتی نے اس نازنین کو دیکھنے کے لئے خواب میں ہی پھر آنکھیں ملیں۔ مگر دیکھ نہ سکی۔ اس نے سوچا تھا کہ اور بہت سی باتیں پوچھوں گی۔ مگر وہ بھی دل ہی دل میں رہ گئی۔ اسوقت اسکا تمام جسم جیسے آگ میں جل رہا تھا۔ آگ کی تکلیف برداشت نہ کر سکی۔ خوف سے چلا اٹھی۔ جاگ گئی۔ پر بستر پر ہات پھیلا کر دیکھا۔ نریندر ناتھ نہیں ہیں۔ اس کا دل اور بھی کانپنے لگا۔ سمجھ گئی کہ یہ خواب تھا۔ مگر یہ جاننے پر بھی دل کو ڈھارس نہ دے سکی۔

اندومتی کے خواب میں ڈرنے سے پیشتر ہی نریندر ناتھ گھر آ گئے تھے۔ مگر یکایک کمرے میں نہیں داخل ہوئے۔ دروازے کے پاس ہی کھڑے ہوئے اندومتی کے حسن کا نظارہ دیکھتے رہے۔ دیکھا۔ اس سیاہ بالوں کے درمیان گویا بجلی ہنس رہی ہے۔ تیز روشنی کے سامنے یکایک نگاہیں نہیں ٹھہرتیں۔ جیسے آسمان کی طرف دیکھتے ہی بادل کہتا ہے۔ اگر دیکھیگا تو سر پھوڑ دوں گا۔ جان لے لوں گا۔ اسی وجہ سے کوئی بجلی چمکتے ہوئے نہیں ڈالتا۔ چھپنے کی ہر چند کوشش کی۔ مگر اس بجلی کی تجلی کا جلوہ تمام کمرے میں نظر آیا۔ خواہش ہونے پر بھی نریندر ناتھ اس پُر نور نظارہ کی تاب نہ لا سکے دل ہی دل میں سوچنے لگے "اگر ہزار دو آنکھیں ملتیں تو بھی شاید نظریں نہ ٹھہرتی۔

جونہی جیسے ہی اندومتی چلائی۔ ویسے ہی نریندر ناتھ نے اسے پکڑ لیا۔ اندومتی بھی نریندر ناتھ کو اپنی آغوش میں دبا کر کانپنے لگی۔ نریندر ناتھ نے نہایت ہی بیتابانہ انداز سے پوچھا اندو! کیا ہوا۔ چلاتی کیوں ہو!

اندومتی کا خوف ابتک دور نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے نریندر ناتھ کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ نریندر ناتھ اور بھی متحیر ہوئے۔ بولے اندو! یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا ہوا؟!

یہ کہتے کہتے نریندر ناتھ نے دیکھا۔ کہ اندومتی غش کھا کر زمین پر پڑی ہے۔ اسوقت جلدی جلدی اندومتی کو اٹھا کر اپنی گود میں دبا لیا۔ سر پر پانی چھوڑنے لگے۔ کچھ دیر بعد اندومتی کو ہوش آیا۔ نریندر ناتھ نے پھر محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ اندو! بہت تکلیف ہے کیا؟

اندومتی نے آہستہ آہستہ کہا "نہیں"
نربیندر۔ پھر کراہ کیوں رہی ہو؟
اندومتی نے اسوقت اپنے خواب کا تمام قصہ سنایا۔ نربیندر ناتھ سنکر ہنسنے لگے۔ بولے معلوم ہوتا ہے تم بالکل پاگل ہو۔ خواب کیا کبھی سچا ہوتا ہے؟
اندومتی خاموش ہوگئی۔ نربیندر ناتھ اسوقت اندومتی کے خواب کی تعبیر پر غور کرنے لگے

بارھواں باب ۱۲

دوبے ٹھاکر

عورت مقناطیس ہے۔ اس کی کشش سے انسان خودبخود کھینچتا ہے — اور اپنی جان دیتا ہے۔ معمولی ہوا کے جھونکے جیسے سمندر کی لہروں کی ساتھ ٹکراتے ہیں اسی طرح انسان کا بھی حال ہے۔ وہ بھی، اپنے ہستی بھول کر حسن کے بحر بیکراں میں ناز و انداز کی لہروں سے ٹکراتا ہے۔ سونے کی دنیا مٹی میں ملا دیتا ہے۔

مہادیو دوبے ایک دن ایکبار ایک عورت کی ترچھی چتونوں سے گھائل ہوئے تھے۔ انھیں ترچھی چتونوں نے ان کے دل میں اسوقت ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اسوقت انھیں کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ دن رات اسی خیال میں محو رہتے تھے۔

مہادیو دوبے کی خوفناک اور بارعب شکل دیکھ کر فقیروں تک کو بھیک مانگنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ فقیر دروازہ تک جاتے تھے مگر اُن کی ہیبناک شکل دیکھ کر واپس آجاتے تھے۔ اُس دن دوبے ٹھاکر سرخ بنات کا جامہ زیب تن کئے ہوئے دروازے پر بیٹھے تھے۔ اور نہ معلوم کس خیال میں غرق تھے۔

بڑی خوفناک اور تاریک رات تھی۔ ہر چہار طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہات کو ہات نہیں سوجھتا تھا۔ دوبے ٹھاکر خیالات کی اُدھیڑ بُن میں مصروف تھے۔ عین اسی وقت ایک عورت آئی اور دوبے پر اپنے آتشیں بان چھوڑے زخم پر نمک چھڑکنے سے جو حالت ہوتی ہے ان نگاہوں نے بھی وہی کام کیا وہ اس نگاہ منجبر کا رکا

نہ لاسکے - ایسی عورت سے قدموں پہ لوٹ کر پریم کی بھیک مانگنے کی اُن کے دل میں بہت آرزو ہوئی بولے - دیکھو سُندری! تُم بڑی خوبصورت ہو۔ تمہارے روبرو میں ہنومان جیسا ہوں عورت کے جسم پر ہات رکھ کر دوبے جی ہٹاکر جیسے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ ویسے ہی وہ ہات جھٹک کر بولی - مرکمبخت - جسم پر ہات کیوں لگاتا ہے؟ یہ کہہ کر اُس نے پھر انھیں نگاہوں کے تیر چلائے۔ دُوبے جی پروانہ کی طرح اُس شمع حُسن پر نثار ہوگئے اور بیخود ہوکر گانے لگے -

ہائے اجب ہم تم بن کیسے
آؤ آؤ پیاری ہماری تم پُر میں بلہاری
جیب ہم کیسے - تم بن ہائے

عورت کھلکھلاکر ہنس پڑی۔ دُوبے جی نے پھر دوہرایا — "جیب ہم کیسے —" عورت نے پھر کہا چپ کمبخت - یہ کہہ کر اُس نے پھر ہنستے ہوئے انھیں نگاں کے تیر مارے دُوبے جی اس مرتبہ رتی خفا ہو گئے جلدی جلدی بولے آؤ پیاری آؤ - یہ کہہ کر عورت کا ہات کھینچنے لگے اُسوقت گورمتی نے ایک عجیب وغریب مورتی دھارن کی ہات جھٹک کر بولی - کیوں باجی جسم پر ہات کیوں لگاتا ہے؟ کھڑا ہو تو رہ - ابھی تیرے سر سے بھوت اُتارتی ہوں -

گورمتی کی یہ خوفناک مورتی دیکھ کر دُوبے جی ذرا سرک کر ایک گہرا سانس لیا - دل ہی دل میں سوچنے لگے جس کے لئے میں جان دینے تک گریز نہیں کرتا وہ تو میری طرف آنکھ بھر کر دیکھتی بھی نہیں بلکہ ناراض ہو رہی ہے - یہ کیسی بے انصافی ہے - میں نے بڑی غلطی کی - اسوقت معذرت کرنی چاہیئے - یہی سوچتے سوچتے بولے "پیاری! اب زیادہ کیوں ضد کر رہی ہو؟ میں تو تمہارا غلام ہوں - جو کہو گی - وہی کروں گا -

گورمتی ہنس پڑی - گویا اندھے کو آنکھیں مل گئیں - اسوقت گورمتی نے شانت مورتی دھارن کر لی - دوبے جی پھولے نہ سمائے - طرح طرح کی ہنسی دل لگی ہونے لگی - موقع پاکر گورمتی نے نہایت ہی پیار و محبت کا اظہار کرتے ہوئے ایک بات کہنی شروع

کی معلوم نہیں۔ اُس نے کیا کہا۔ کہ دوُبے جی سُنتے ہی کانپ اُٹھے۔

گورمتی نے کہا۔ واہ! بس معلوم ہوگیا۔ کہ تم مجھے اس قدر پیار کرتے ہو۔ تم سے اور کیا اُمید رکھوں؟ یہہ کہکر اُس نے پھر کہکر اُس نے پھر اُن پر وہی ترچھی نظریں ڈالیں۔ دوبے جی خاموش رہے۔ گورمتی کی بات سُنکر اُن کا سر چکرا گیا۔ ہر چہار طرف اندھیر سنّاٹا نظر آنے لگا۔ اور اس کی بات کے جواب دینے تک کی طاقت سلب ہوگئی۔

گورمتی دوُبے جی کے قریب جاکر پھر پیار و محبت کے سبز باغ دکھانے لگی اور بولی دوُبے جی! تمہیں کسی قسم کا خوف نہیں صرف یہہ خط پہنچا دو۔ یہہ کہکر اُس نے ایک خط نکالا اور اُسے پہنچانے کی ترکیب ذہن نشین کرا دی۔ طرح طرح کی باتیں بنا کر انھیں بیوقوف بنایا۔ کسی طرح اس خط کا راز منکشف نہو۔ اس کے متعلق بہت کچھ کہا۔ خط دینے کے بعد ہی وہ ہمیشہ کے لئے دوُبے جی کی ہو جائے گی یہ بھی کہا۔

اسوقت دوُبے جی خط لے کر "رام رام" کہتے ہوئے چلے گئے۔

تیرھواں باب ۱۳

پرتوُل اور گورمتی آمنے سامنے بیٹھے ہوئے اندومتی و رییدرناتھ کے متعلق سوچ رہے تھے کس حکمت سے اندومتی اور نریندرناتھ کے دلوں میں میل آجائے۔ وہ اسی فکر میں غرق تھے۔ گورمتی کی خواہش پوری ہوئی۔ پرتوُل اسوقت اس کے دامِ محبت کا اسیر ہوچکا تھا۔ گورمتی بھی پرتول کا اپکار کرنے کے لئے بیچین ہو رہی تھی اپنی نیکنامی اور بدنامی کا خیال جاتا رہا تھا۔ عہد کیا تھا۔ کہ چاہے جان چلی جائے۔ مگر پرتول کو جو قول دیا ہے۔ اُسے پورا کروں گی۔

گورمتی نے اُس دن دوبے جی کی آڑ میں ایک چال چلی تھی۔ مگر اس میں اُسے کہاں تک ناکامیابی ہوئی وہ اپنے دل ہی دل میں ہزاروں ترکیبیں سوچتی تھی۔ مگر ان میں سے ایک کا اظہار بھی پرتول سے نہ کیا پرتول نے بھی دو ایک ترکیبیں سوچیں۔ مگر گورمتی کے روبرو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ باپ کے کام میں بڑی رکاوٹیں آگئی ہیں گورمتی

ان سب باتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسوقت اس کا دل بےچین ہوگیا۔ مگر اپنے جذبات اور حالت پوشیدہ رکھنے کے لئے وہ ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگی۔ اور پرتول کو مخاطب کرکے کہا۔

"دیکھ کر تم کو نہیں معلوم کیوں + دل بھر آتا ہو میں رہتا ہے نہیں

پرتول کی توجہ کسی اور طرف۔ گورمتی بات بات میں اشعار کہتی تھی۔ پرتول کی توجہ دوسری طرف دیکھ کر ہی اوپر کا شعر پڑھا تھا۔ شعر سن کر پرتول کو ہنسی آگئی۔ اس نے ہنستے ہنستے کہا۔ گورمتی! تمہیں شاعری کا شوق کب سے ہوا؟

گورمتی اس مرتبہ کوئی شعر نہیں کہا۔ صرف اس قدر کہا۔ جب سے تمہیں پایا۔

پرتول نے گورمتی کی طرف اشتیاق آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ یہ نگاہیں گورمتی کے دل کو چھیدتی ہوئیں اندرونی حصّوں تک پہنچ گئیں۔ وہ بیخود ہوگئی۔ سورگ کا مزہ آنے لگا۔ دُنیا کو چھوڑ کر جیسے کسی ایسے مقام میں پہنچ گئی۔ جہاں دُنیاوی تکالیف کا نام ونشان نہیں۔ اس سمندر میں فکروآرام کی لہریں موجزن نہیں ہوتیں صرف سُکھ ہی سُکھ ہے ہر چہارطرف شانتی ہی نظر آتی ہے۔ گورمتی وہاں سے واپس آنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی شانتی کے بحر بیکراں میں غوطہ کھارہی تھی۔ مگر سُکھ عارضی ہوتا ہے۔ کسی کی قسمت میں ہمیشہ نہیں رہتا قدرت کا یہی قانون ہے۔ گورمتی کو بھی جلد ہی وہ جگہ چھوڑنی پڑی اسوقت اس کے دل میں [illegible] طرح آب محبّت سے اپنی پیاس بجھانے کی خواہش ہوئی۔ مگر پرتول سے کچھ نہ کہہ سکی۔ زبان پر جیسے کسی نے مہر لگادی صرف تیروں سے گھائل جانور کی طرح تڑپنے لگی۔ بار بار پرتول کی طرف محبت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پرتول نے باسانی گورمتی کی حالت کا اندازہ کرلیا۔ اپنے جذبات چھپاکر گورمتی کے چال چلن پر غور کرنے لگا۔ مگر آگ کی مشتعل چنگاریوں کو جیسے کپڑے میں نہیں باندھا جاسکتا اسی طرح گورمتی کے روبرو اس کی چالاکیاں کام نہ کرسکیں گورمتی فوراً بھانپ گئی۔ اور ایک ایسا دلدوز گیت گایا۔ کہ خود ہی مست ہوگئی۔

جب گورمتی گارہی تھی۔ پرتول ایک مٹی کا ٹھڑا لئے ہوئے بجارہا تھا۔ اُسے سُر

اور تال کا خیال نہیں تھا۔ وہ بجانا نہیں جانتا تھا۔ گر گورمنی کو یہی بہت اچھا معلوم ہوا
گانا ختم ہونے کے ساتھ ہی اُس کے جذبات کا بھی خاتمہ ہونے لگا۔ پرتول نے کہا۔
گورمنی! شاید ناراض ہو گئی ہو؟
گورمنی نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ کیوں؟
پرتول:۔ میں گھڑا بجا رہا تھا۔ وہی سنکر
گورمنی:۔ نہیں۔ تمہارے بات میں بڑی صفائی ہے۔ اس بات کی تشبیہ کس سے دوں
میں کیا گاتی ہوں۔
پرتول نے پُرمذاق لہجہ میں کہا۔ شیاما کے زمزمے بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت
نہیں رکھتے۔
شیاما چرن گورمنی کا پڑوسی تھا۔ اُس کا گلا بیٹھا ہوا۔ گورمنی اس مذاق کو سمجھ گئی
مگر بُرا نہیں مانا۔ بلکہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ذرا دیر بعد پرتول نے پھر کہا۔ کہ اسوقت کیا کرنا
مناسب ہے۔
گورمنی پھر دریائے تفکر میں غوطہ زن ہو گئی۔ سوچنے لگی۔ پرتول کی خواہش اگر پوری
کرسکی۔ تو اس کے ساتھ زندگی کی بہار کیونکر لوٹ سکونگی۔ یہ سوچتے سوچتے یکایک
گورمنی ہنس پڑی۔
پرتول نے گورمنی کو ہنستے ہوئے دیکھ کر کہا۔ گورمنی! ہنستی کیوں ہو؟
گورمنی نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ ٹھیک کیا
پرتول نے بیتابانہ انداز سے کہا۔ کیا ٹھیک کیا۔
گورمنی:۔ اسوقت وہ بات نہیں کہونگی۔
پرتول نے گورمنی کی بات سُننے کے لئے بڑی بے چینی کا اظہار کیا۔ گورمنی نے دل ہی دل
میں کہا:۔ کہ پرتول سے ایک عہد کیا کراؤنگی۔ مگر ہمت نہ پڑی۔ اس نے سوچا۔ اگر عہد کرتے
ہوئے اگر اس کے دل کو صدمہ پہنچا۔ تو تمام آرزوں پر اوس پڑ جائے گی۔
یہ سوچ کر گورمنی نے پرتول کے کان میں وہ تدبیر بتائی۔ وہ سُنکر بہت خوش ہوا

سوچا اتنے دنوں کی آرزو پوری ہوئی۔ ناظرین سمجھ گئے ہونگے۔ کہ گورنی کے گھر میں اسدن پرتول ہی آیا تھا۔

چودھواں باب ۱۴

پھر راستہ میں

گورمتی گھر کے سامنے والے گھاٹ پر بیٹھی تھی۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ صورت سے بیقراری ٹپک رہی تھی۔ عموماً ایک شخص گورمتی کے مکان کے سامنے سے آیا جایا کرتا تھا۔ وقت گذر گیا۔ مگر وہ شخص نہ آیا۔ گورمتی نے سوچا۔ شاید وہ شخص آج نہیں آئیگا۔ اگر آنا ہوتا۔ تو اب تک آجاتا۔ اگر آج نہ آیا تو دو دن بعد آئیگا۔ اسوقت گورمتی سے بات چھڑا کر بھاگ نہیں سکیگا یہ سوچ کر وہ گھر گئی۔ مگر جاتے جاتے ایک بار راستہ کی طرف نگاہ کی۔ دیکھا وہ شخص گھوڑے پر سوار چلا آتا ہے۔ گورمتی اندر نہ جاسکی واپس آکر راستہ میں کھڑی ہوگئی دیکھتے دیکھتے وہ شخص پاس آگیا۔ گورمتی نے اسے نمسکار کیا۔ اور نہایت ہی عاجزانہ مگر حیاپرور لہجہ میں کہا۔ مہاراج! میری ایک بات ہے۔

نریندر ناتھ نے گھوڑا کھڑا کیا۔ کیا بات ہے کہو؟

گورمتی نے کہا۔ مہاراج! ہم چھوٹے آدمی ہیں۔ ہماری بات پر آپ کو یقین نہ آئیگا۔ مگر میں زمین پر پاؤں رکھ کر دھرم کو ساکشی کر کے کہوں گی کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی اگر جھوٹھ کہوں تو میرے منھ میں کوڑھ ہو۔

نریندر ناتھ کو گورمتی کی یہ باتیں سنکر غصہ آگیا۔ بولے۔ اگر تمہیں کچھ کہنا ہو۔ تو کہو

گورمتی کے دل پر خوف طاری ہوا۔ سوچنے لگی۔ کیا کہہ ڈالا! کہکر کیا زندگی کا خاتمہ کروں گی جب کہہ چکی ہوں تو پھر کہنا ہی پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ گھبرا اٹھی۔ تمام بدن کانپ اٹھا۔ دل دھڑکنے لگا۔ زبان خشک ہونے لگی بات نہ نکلی۔

نریندر ناتھ نے پھر کہا کیا؟ کہتی کیوں نہیں؟

گورمتی نے پھر سوچا۔ پرتول کا کام نہ کروں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر جان بھی چلی جائے۔ تو مضائقہ نہیں مگر اس کا کام ضرور کروں گی۔ یہ سوچ کر اُس نے نرپندرناتھ سے نہایت آہستہ آہستہ نہ معلوم کیا کہا۔؟

سُنتے ہی نرپندرناتھ گورمتی کے جسم پر کتنی ہی چابک رسید کیں۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے بھی ایک دو لگائیں۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا چلا۔ گورمتی روتی [illegible] پہنچی۔ اور مکان میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ بیٹھے بیٹھے پاس کی زمین صاف کر [illegible] لگی۔ اُس کے دل میں اُسوقت یہ خیال آیا۔ کہ اب مرض کی دوا نہیں ہے۔ برہما کے [illegible] دستو۔ اگر خود ہی آجائیں۔ تو بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ میں تو صرف گورمتی ہوں اسوقت [illegible] لے کر بھاگنے سے ہی بچ سکتی ہوں پر توئل سے ضرور مِل کر جاؤنگی۔ پر تول کیا میرا ہو گا؟ [illegible] دل میں کیا ہے؟ کون کہہ سکتا ہے؟

نرپندرناتھ کے دل میں کچھ دُور آنے کے بعد گورمتی کی باتوں نے طرح [illegible] کے شکوک پیدا کر دئے۔ ایک بار خیال آیا۔ نائن نے ایسی بات کیوں کہی؟ جھوٹی [illegible] سے اُسکی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا اُس نے نہیں سوچا تھا؟ نائن تو کبھی بات [illegible] نہیں کرتی تھی۔" تا نہ ناشد چیزکے مردم نہ گوید چیزہا" اگر پرتول پر مصیبت آجائے [illegible] میں اُسے کیا فائدہ ہے؟

پھر سوچا درخت کا پرند یکرشنے سے ہی لوگ نام رکھتے ہیں۔ معمولی خاندان [illegible] خبر نہیں معمولی ہے۔ یا کیا [illegible] کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ ممکن ہے اُس کا حال چلن قابل اعتراض ہو۔ ایسے گھرانے کے لڑکے لڑکیاں عموماً آوارہ ہوتی ہیں تو کیا اندومتی بھی ایسی ہی ہے؟ جبھی اجب گورمتی کے دل میں بھی یہ بات آئی۔ تو واقعی یہ بات صحیح ہے اِس میں ذرا بھی شک نہیں۔

یکایک نرپندرناتھ کا چہرہ اُتر گیا۔ معلوم نہیں اُن کے دل میں کیا خیال آیا؟ ایک گہرا سانس لیا۔ پھر سوچا۔ اُس دن بھی بیٹھک خانہ میں اسی کے [illegible] ایک خط پایا تھا۔ یہ خط کون دے گیا تھا؟ اِس کے متعلق ابتک کوئی بات نہیں جان سکا۔ اس میں بھی

اندومتی کے متعلق کتنی ہی مشکوک باتیں تھیں۔ میں اُسے کسی پاگل کی بڑ سمجھی تھی۔ مگر اب دیکھتا ہوں وہ پاگل کی بڑ نہیں۔ بلکہ سچی بات ہے۔ اچھا۔ اگر اندومتی کا چال چلن واقعی مشکوک ہے تو میں کیا کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ وہ مجھے جیسے پہلے پیاری تھی اب بھی ہے۔ جو مجھے دم بھر نہ دیکھنے پر نہ معلوم کیسی ہو جاتی ہے۔ اُس کا دل اسقدر ناپاک ہے۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا اندومتی کا منھ دیکھ کر سورگ کی چیزوں کا خیال آتا ہے۔ ہائے وہ پاکیزہ شے ناپاک ہو گئی میں کیونکر یقین کروں گا؟

ناظرین! نریندر ناتھ نے اس سے پیشتر جس خط کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہی خط ہے۔ جو وہ بلے جی ٹھیک خانہ میں رکھ آئے تھے۔ گرومتی کی محبت کے دام میں پڑ کر انھوں نے ایسا کیا تھا گھر والوں نے بھی نریندر ناتھ کی جڑ میں کلہاڑی ماری ہے۔ یہ کوئی کیسے سمجھے؟

یکایک نریندر ناتھ کے دل میں پرتول کے باپ کی دشمنی کی بات آئی شک نے یقینی حالت اختیار کی۔ پرتول کا چال چلن اچھا نہیں تھا۔ یہ نریندر ناتھ بخوبی جانتے تھے۔ اس لئے اُنھیں اب ذرا بھی شک نہ رہا۔ اُن کے دل میں طرح طرح کے خیالات نے گھر کیا گھوڑے سے اتر کر پھر گورمنی کے مکان کی طرف سائیس کچھ دور پر تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے نریندر ناتھ گھوڑے پر سے گر پڑے ہیں۔ اُس نے تیزی سے قدم بڑھا کر گھوڑا پکڑ لیا۔ اور نریندر ناتھ کے پاس آیا۔ اُنھوں نے سائیس کو بھی دو تین چابک رسید کیں۔ اور غضبناک لہجہ میں کہا۔ گھوڑا گھر لے جاؤ سؤر!

سائیس گھوڑا لے کر گھر کی طرف چلا۔ راستہ میں سوچنے لگا۔ بابو کا مزاج آج اسقدر کیوں بگڑ گیا؟ وہ تو نوکروں پر کسی قسم کا ظلم نہیں کرتے تھے۔ نہ معلوم اس کمبخت گورمنی نے کیا کر دیا؟ ابھی تو راستہ میں آتے آتے پوچی کتنی خوش کرنیوالی باتیں کرتے تھے۔ مائی کے پاس آتے ہی کیا ہو گیا! اُس کا تمام غصہ گورمنی کے سر پر پڑا اُس نے فیصلہ کیا۔ کہ کمبخت کے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ وہ گھوڑا لے کر گھر آ گیا۔ اُس دن گھوڑے کو دانہ کم ہی دیا۔

نریندر ناتھ گورمنی کے مکان کے پاس آئے۔ اور گورمنی کو آواز دی گورمنی! گورمنی!

گومتی نرنیدر ناتھ کی آواز سُنکر گھر کے کونے میں چھُپ رہی۔ اُس نے سوچا وہ اُسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔ اور اس بار اگر پکڑا گیا۔ تو جان ہی چلی جائے گی چاہے تو پھر بھی اچھے تھے۔ گومتی کو زیادہ سوچنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اتنے میں نرنیدر ناتھ اندر آکر بولے۔ گومتی! میں نے قصور کیا دیا کر کے میری ایک بات سُنو۔

گومتی مکان کے کونے میں کھڑی ہوئی سب کچھ سُن رہی تھی۔ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔ اُس نے سوچا۔ دوا کارگر ہوئی۔ مریض آسانی کیا کڑوی دوا کھانا پسند کرتا ہے۔؟ جبراً کھلانا پڑتا ہے۔ دوا پیٹ میں جانے سے تو بہت فائدہ کرتی ہے۔ دھوکا دیکر روتے روتے جیسے ہی کوٹھڑی سے باہر نکلی۔ ویسے ہی نرنیدر ناتھ نے بتیابانہ انداز سے پُوچھا۔ تجھے یہ سب کہاں سے پتہ لگا۔؟

گومتی روتے روتے بولی:۔ "مہاراج! آپ لوگ بڑے آدمی ہیں —"

نرنیدر ناتھ نے بات کاٹ کر غضبناک لہجہ میں کہا۔ دیکھ اب تو اپنا مہاراج وغیرہ رہنے دے جلد سچی بات بتا۔ کسی بات کا خوف نہ کر"

گومتی نے ابرؤں میں بل ڈال کر کہا:۔ وہ سب باتیں کہتے ہوئے مجھے شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے آنچل میں اپنا منھ چھپا لیا۔ اور سر نیچا کر لیا۔ نرنیدر ناتھ نے اور بھی دبا کر کہا۔ جلد بتا۔ ورنہ تیرا سر پھوڑ دوں گا

نرنیدر ناتھ نے گومتی کو تھپیڑ دکھایا۔ اور دل ہی دل میں سوچا۔ گومتی بھی شاید کہنے سے ترماتی ہے۔ جس گومتی سے سب لوگ نفرت کرتے ہیں۔ وہی گومتی آج میرا مضحکہ اُڑا رہی ہے۔ چھی! اگر ممکن ہُوا تو اس زندگی کا خاتمہ کر دوں گا۔ ورنہ دوسری صورت میں اندومتی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہوں گا۔ اور کلنک کا ٹیکا اپنی پیشانی سے مٹا کر بیکدم بنوں گا۔

گومتی اُسوقت موقع پاکر ڈرتے ڈرتے جتنا زہر اُس کے اندر تھا۔ سب کا سب نرنیدر ناتھ کے دماغ میں داخل کر دیا۔ بالآخر یہ بھی کہا۔ کہ رام بھدر کے ذریعہ سے ہی اِن تمام واقعات کا ظہور ہُوا ہے۔ شادی سے بہت پہلے ہی پرتول اور اندومتی میں محبت ہو گئی تھی۔ یہ تمام باتیں گومتی نے اس دل کش انداز سے کہیں۔ کہ نرنیدر ناتھ کو اُس کے پاجی پن کا ذرا

بھی پتہ نہ لگا - اور بڑے غور سے وہ تمام باتیں سنتے رہے - سنتے سنتے کبھی اُن کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں - اور دانت بھینے لگ جاتے تھے - اور کبھی کبھی فرطِ غم سے نریندر کا کمل جیسا چہرہ مرجھا جاتا تھا - اسوقت بھی اُن کا تمام جسم جیسے شرم و نفرت کے سمندر میں ڈوب رہا تھا - گورمتی باتیں کہتی جاتی تھی - اور اُن کی حالت دیکھتی جاتی تھی - اسوقت اپنی سچائی کا پورا پورا ثبوت دینے کے لئے بولی - اس کا مدلّل ثبوت بھی دے سکتی ہوں -

نریندر ناتھ گورمتی کی یہ بات سنکر بے چین ہو گئے - سوچنے لگے - چھی! ان آنکھوں کو ابھی کیا کیا دیکھنا پڑے گا - یہ نہیں ہو سکتا اندو متی میری سب کچھ ہے - میرے خانۂ تاریک کا روشن چراغ - سکھ کی شانتی - غم کا آنسو - محبت کا پھول - پریم کا کنول - میرے خوشیوں کا جو کچھ ضروری سامان ہے - سب کچھ اُس میں موجود ہے - اس عالم خرابات میں بھی میرے لئے اس کی ہستی سورگ کی دولت ہے - جس کے چھونے سے سکھ ملتا ہے - جس کے دل بیمار میں جان آ جاتی ہے - جو اپنی باتوں کو کانوں میں امرت رس ٹپکاتی ہے - جس کو میں نے اپنا کہا تھا - جس نے مجھے اپنا بنایا تھا - ہائے! کیونکر اُس کی کمزوریوں کا پتہ لگاؤں - کون جانتا تھا - کہ اس شیریں درخت میں زہر کا پھل پھلیگا - کون جانتا تھا - کہ کوئل کے مُنہ میں زہر بھرا ہوا ہے - اور پھول میں کانٹے کی خاصیت ہے - چشمۂ پاکیزگی میں کلنک ـــــ اور شہد میں زہر! اگر ہے تو ہوئے دو میں قانون قدرت کے اس اصول کی خلاف ورزی کروں گا - یہ بشاچ کی چالیں ہیں - میں خاطر میں نہ لاؤں گا - مگر سب کچھ ممکن ہے ـــــ پھر بھی غیر ممکں!!!

یہ سب سوچ کر نریندر ناتھ نے تہتیہ کیا - گورمتی نے مدلّل ثبوت لینے کی ضرورت نہیں - مگر پھر نہ معلوم کیا خیال دل میں آیا - سوچا کلنک سے بھرپور کون نہیں دیکھتا - کنول میں کانٹا دیکھ کر کون اُسے نہیں قبول کرتا - دیکھنے میں ہرج ہی کیا ہے - دیکھوں گا مگر یہ زندگی رہتے ہوئے اُسے نہیں چھوڑوں گا - اس کا تیاگ کروں گا + لوگوں کے مُنہ سے نندیا سنکر مُنہ پھیر لوں گا - تبھی تو یہ انسیت ہو گا - پھر ہتیابانہ انداز سے بولے :- گورا تیرے پاؤں پڑتا ہوں سچ سچ کہہ! میری پران پیاری اندو کیا سچ مچ کلنکنی ہے - جھوٹی باتیں کہہ کر میرے

سر پر بجلی نہ گرنا۔ اندو کے بغیر اس دُنیا میں میرا سُکھ کیا ہے؟
نرنیدر ناتھ گورمنی کا پاؤں پکڑنے کے لئے چلنے تیار ہوئے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا گورمنی "چھی چھی" کرکے ہٹ گئی نرنیدر ناتھ کے قدم آگے نہیں پڑے مگر گورمنی نے مُسکر کر دل ہی دل میں خوب ہنستی تھی۔ کوڑوں کا خوف کھا کر بولی:۔ بابو! ہم غریب آدمی ہیں ہماری باتوں پر کون یقین لاتا ہے۔ ماسی یہ بات کسے پسند آتا ہے۔

نرنیدر ناتھ نے گہرا سانس لے کر کہا:۔ گورمنی! تیری باتوں پر یقین کرتا ہوں پھر کہتا ہوں بغیر قصور کے میرے سر پر بجلی نہ گرانا۔
گورمنی نے تحیر آمیز لہجہ میں کہا:۔ یہ کیا بات؟ آپ کے ساتھ یہ سلوک؟ کیا دھرم نہیں ہے۔ کل آئیگا۔ میری بات جھوٹی ہے۔ یا سچ۔ سب جان سکیگے۔
نرنیدر ناتھ:۔ کس وقت آؤں؟
گورمنی:۔ شام سے کچھ پہلے۔
نرنیدر ناتھ:۔ بہت اچھا۔
اسوقت نرنیدر ناتھ اپنے مضطرب دل کو سینہ میں دبائے ہوئے گھر کیطرف چلے +

پندرہواں باب

مدلل ثبوت

گورمنی پھولی نہیں سماتی تھی جسم کے یک ایک عضو سے خوشی پھٹی پڑتی تھی۔ سوچنے لگی بہت دنوں بعد کتنی کوششوں سے آج تیر نشانہ پر بیٹھا۔
وہ اپنے دل ہی دل میں کہنے لگی۔ میرے دل میں جو خواہش ہو۔ وہی کر سکتی ہوں۔ سمندر کو متھ کر رتن نکال سکتی ہوں۔ کانٹے کو دُور کرکے۔ منر نالنی لا سکتی ہوں۔ پھر کیا نہیں پا سکتی؟ اور کیا نہیں کر سکتی؟ میری طاقتیں بے حد و حساب ہیں۔ اتنی طاقت تو کسی وکیل بیرسٹر میں بھی نہیں۔ اگر طاقت نہ ہوتی تو کیا آج اپنے بڑے تعلقدار کا لڑکا

میرے پاؤں پڑتا ہے اور اسی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا۔ گورمنی میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ابھی اُسے ہنسا سکتی ہے۔ خواہش کرنے سے ہی وہ پتھر سے پانی نکال سکتی ہے۔ اسی رونے میں وہ ہنسی کا سماں پیدا کر سکتی ہے۔ مگر ایسا کیوں کروں گی؟ کیوں اپنے پاؤں میں خود بخود کانٹا چبھونا چاہتا ہے؟ سب اپنے اپنے سُکھ کے لئے پاگل نظر آتے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ پاگل ہونگی؟ اپنے سُکھ کے راستہ میں کانٹا بو کر کون دوسروں کا بھلا کرتا ہے۔ جو اپنا عیش و آرام نہیں چاہتا۔ وہ دُنیا سے گیا گذرا شخص ہے۔ بُرا اُپکار کرکے اگر وہ چینی سے اپنا منُھ میٹھا کرے گا۔ تو میرے لئے گڑ ہی بہت کچھ ہے۔ دونوں کی حالت یکساں ہے کوئی فرق نہیں۔ منُھ دونوں کے میٹھے ہوں گے یہ تو نہایت خراب کام ہے کہ اپنی طرف نہیں دیکھتا ہمیشہ دوسرے کے عیوب پر نظر رکھتا ہے۔ اور اس کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگوں کے مزاج مختلف واقع ہوئے ہیں۔ جس کا جیسا سمجھا ہُوا ہے۔ وہ وہی کرتا ہے۔ اس میں دوش ہی کیا ہے؟

گورمنی اسی قسم کے خیالات میں غوطہ زن تھی۔ اتنے میں نریندر ناتھ آگئے۔ اُسوقت شام ہو رہی تھی۔ گورمنی نے اپنا مکان اچھی طرح صاف کیا تھا۔ نریندر ناتھ کو ساتھ لے کر وہ کھڑکی سے ملے ہوئے باغیچہ کی طرف چلی۔ آہستہ آہستہ دونوں پہنچے۔ گورمنی نے کہا۔ یہاں بیٹھ جائیے۔ اور آڑ سے سب کچھ دیکھئے۔ وہاں دیوار تھی۔ اور اس دیوار میں بہت سے سوراخ تھے۔ بہت دیر بعد دیکھا۔ ایک شخص ایک کنج میں داخل ہُوا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک درخت کی بیل سے ایک خط باندھ گیا کھڑکی کے پاس ہی کنج تھا۔ نریندر ناتھ بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ شخص جلدی جلدی خط بیل سے باندھ کر باہر چلا گیا۔ نریندر ناتھ نے اس شخص کو پہچان لیا۔

قسمت کی بات! اندومتی بھی عین اُسی وقت دُوسری طرف دیکھتی ہُوئی باغیچہ میں چلنے لگی۔ نریندر ناتھ نے یہ سب دیکھا۔ اُس کا جسم غصّہ سے ہوا میں ہلتے ہُوئے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ وہ شخص بھی اُن کے سامنے ہی بھاگ گیا تھا۔ اور ایک بار پھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اندومتی سے چھُپ کر باغیچہ میں گئے۔ اور

خط کھول لائے۔ غریب اندومتی کو اِن باتوں کا کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ باہر آکر خط پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:-

اندو!

سُنا ہے۔ ہمارے آپس کی محبّت کا راز فاش ہو گیا ہے۔ تمہارے شوہر نے جان لیا ہے اور بدلہ لینے کے لئے خاص خاص تدابیر سے کام لے رہے ہیں۔ اسی لئے اپنے دونوں کی حفاظت کے لئے میں نے سوچا ہے۔ کہ کچھ دنوں تک تم سے نہیں ملوں گا اگر ممکن ہوا تو اسی طرح خط کے ذریعہ اپنے دلی حالات کا اظہار کرتا رہوں گا۔

تمہاری محبت کا پیاسا

پرتول

خط پڑھ کر نرپندر ناتھ کے غصّہ کا پارہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ جیسے آگ میں کسی نے تیل چھڑک دیا۔

دوپہر کو گورمتی پرتول کو رائے مہاشے کے مکان کے پاس والے باغیچہ میں چھوڑ آئی تھی کس غرض سے اُس نے ایسا کیا تھا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ چونکہ اُس وقت سب لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ اس نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ اسی وجہ سے کسی نے پرتول کو وہاں جاتے نہیں دیکھا۔ شام کے وقت اندومتی حسب معمول باغیچہ میں سیر کرتے گئی۔ ٹہلتے ٹہلتے کچھ پھول چُنے۔ اور ایک ایک پھول کے پاس ٹھہر کر اُس کے کیڑے وغیرہ صاف کرتی تھی اسی وجہ سے وہ پرتول کو نہیں دیکھ نہیں سکی

نرپندر ناتھ کے دل میں پرتول کا خط پڑھ کر اور پرتول کو وہاں جاتے دیکھ کر شک پیدا ہوا اُن کے ذہن نشین ہو گیا۔ کہ گورمتی نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ لفظ بلفظ صحیح ہے۔ نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے خط پر نظر ڈالتے ہوئے وہ چلے گئے۔

سولھواں باب۔

نرپندر ناتھ کھڑکی کے پاس والے باغیچہ سے خوابگاہ میں آئے۔ آتے ہی اندومتی

کو دیکھا- وہ باغیچہ سے پھول لے کر ابھی آئی ہی تھی- نریندر ناتھ اُسے دیکھ کر غصّہ سے جل اُٹھے- اس سے پیشتر جس اندُومتی کو دیکھ کر نریندر ناتھ کا دل کے محبّت کے بحرِ بیکراں میں غوطہ کھانے لگتا تھا- اس وقت اُس اندومتی کو دیکھ کر نفرت کی ترنگیں دل میں موجزن ہُوئیں- وہ اسوقت پاگلوں کی طرح ہو گئے تھے- بُرے بھلے کی تمیز جاتی رہی تھی +

اندُومتی کو دیکھ کر وہ جیسے کچھ کہنا چاہتے تھے مگر نفرت کی زبردست کی زبردست ترنگوں نے اُنہیں اپنی رَو میں بہا لیا- کچھ نہ کہہ سکے- آنکھیں آگ کی طرح جلنے لگیں- مُنھ پر جیسے موت کا سایہ پڑ گیا- سادہ لوح اندُومتی اُسوقت نریندر ناتھ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی- اُس کی آنکھوں میں کچھ بھرا ہُوا تھا- دیکھا- یہ چہرہ جیسے پہلا چہرہ نہیں ہے ——



اندو رونے لگی — اندو تھی آج بھکارنی !!!

اُس چاند جیسے چہرہ کو بادلوں نے ڈھک لیا۔ اندومتی بادلوں کے پردہ میں چھپی ہوئی بجلی کی طرح اُس چہرے کو دیکھ کر کانپ اٹھی۔ بہت دیر تک نہ دیکھ سکی۔

اگر اُسی وقت اندومتی کے سر پر آسمان پھٹ پڑتا۔ یا جان نکل جاتی۔ تو اتنا دُکھ کیوں ہوتا نرنیدرناتھ کی یہ حالت دیکھ کر اُس کے دل میں تکلیف ہونے لگی۔ سوچنے لگی۔ جیسے وہ اس دُنیا میں نہیں ہے۔ یہ دنیا بھی اُس کی نہیں ہے — آج وہ بھکارنی ہے اُسے دُنیا میں کھڑا ہونے کے لئے جگہ نہیں۔ جہاں کھڑی ہوتی ہے۔ وہیں کتنے خواب دیکھتی ہے — شمشان دیکھکر چونک اُٹھی ہے۔ اسی شمشان بھومی میں وہ اکیلی ہے — ہر چہار طرف آگ شعلہ زن ہے۔ کون اُسے اس شمشان بھومی سے ٹھنڈے اور آرام دہ مکان میں لیجائیگا نرنیدرناتھ!؟ اندومتی نے پھر نرنیدرناتھ کی طرف دیکھا — دیکھا اسوقت بھی نرنیدرناتھ کی آنکھوں میں آگ جل رہی ہے — دھک! دھک!! دھک!!! اندو کا مکان بھی جل گیا — اندو رونے لگی۔ اندومتی۔ آج بھکارنی!

بھکارنی پناہ کے لئے نرنیدرناتھ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسی چہرے کے درشن سے وہ ہمیشہ شانتی پاتی رہی ہے۔ اور کہاں جائے گی؟ جانے کی جگہ تو تھی۔ اسی لئے پھر دیکھنے لگی — اور کیا کیا سوچنے لگی — مُنھ سے بات تو نکلی نہیں — سینہ شق ہونے لگا۔ اس قدر جیسے پرلے کے دریا میں ڈوبنے لگی۔ اُس کی بڑی خواہشوں کی کشتی جیسے ڈوب گئی ترنگوں کی پر زور مین بہتی ہوئی نہ معلوم کہاں جانے لگی — خوفناک مصیبت — کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ اندومتی چونک کر رونے لگی پکارا — "پرمیشور! — پرمیشور!!"

پکارتے پکارتے غش کھا کر نرنیدرناتھ کے قدموں میں پڑ گئی۔ نرنیدرناتھ نے غصہ میں اُس سونے کی مورتی کو زور زور سے پاؤں تلے روند ڈالا۔ اندومتی مٹی کے روڑے کی طرح زمین پر لڑھکنے لگی۔ نرنیدرناتھ یہ نظارہ دیر تک نہ دیکھ سکے۔ آنکھیں آبگوں ہو گئیں اور نگاہوں سے دُھول میں لت پت کمل جیسے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دیکھا۔ وہی گوری گوری پیشانی۔ وہ محرابی ابروئیں۔ وہی کالی کالی دل کو پھنسانے والی زلفیں۔ وہی موسم بسنت کے گلاب کی طرح شگفتہ رُخسار اور بھی دیکھا۔ وہی سادگی۔ وہی دلکشی۔ وہی

درد بھری چتونیں! سب جیسے اُس چہرے میں از سر نو عود کر آئی تھیں۔ اور اب بھی اُن یاقوتی لبوں میں محبّت کی شہد کا چھتّا لگا ہُوا تھا۔

نریندر ناتھ نے پاگلوں کی طرح اُن ہونٹوں کو چوم لیا اور اندومتی کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اُس کے بعد کتنی ہی باتیں کرنے لگے اندو! تو میرے کلیجہ کی کور کی چیز ہے۔ کتنی محبّت کی شے ہے۔ میری خوبیوں کی جوہر محنت کا سرمایہ۔ میرے باغیچہ کی کوئل ۔۔۔ ! کیوں اسے پنجرے میں پالا! کیوں تمہیں سے پریم پیدا کیا؟ ایسی پاکیزہ مورتی کے درشن سے کیوں اتنے دنوں تک محروم رہا؟

یہ سوچتے سوچتے پرتول کے خط کی بات یاد آگئی پاگلوں کی طرح چلّا کر کہا۔ بتا ہی! ارے کلنکنی! دشواس گھاتنی!!! جا اب اِس گھر کو اپنی ناپاک ہستی سے پاک کر!

یہ کہہ کر نریندر ناتھ نے اپنی گود سے اندومتی کو زمین پر دھکا دیکر گرا دیا۔ اور پرتول کے خط کو زور سے اندومتی کے جسم پر مارا۔ اور فوراً کمرے سے باہر نکل گئے۔

سترھواں باب

تیاگ

اندومتی کا غش ٹوٹا۔ دیکھا نریندر ناتھ خوابگاہ میں نہیں ہیں۔ صرف ایک خط پڑا ہُوا تھا۔ اندومتی نے اُسے نریندر ناتھ کا خط سمجھ کر اُٹھا لیا۔ پڑھا۔ پڑھ کر معلوم ہُوا نریندر ناتھ کا نہیں ہے۔ نفرت سے اُسے دُور پھینک دیا۔ اُسوقت نریندر ناتھ کے غصّہ کا سبب سمجھ میں آیا۔ سمجھ کر کیا ہُوا؟ اور کیا ہوگا؟ سینہ شق ہوکر دو ٹکڑے ہونے لگا تمام جسم میں جیسے کانٹے پڑ گئے۔ اندومتی کی بڑی بڑی آنکھیں برسات کے بادل کی طرح آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

اُسوقت اندومتی نے سوچا۔ انھوں نے میرا اعتبار نہیں کیا ۔۔۔ کلنکنی تصوّر کیا ہے۔ ایسی حالت میں اب یہ منھ کس طرح دکھاؤں گی؟ دیوتا کو دُکھ پہنچانے کے لئے میرا جنم نہیں ہُوا۔ میرے جیتے جی اِس پاک خاندان میں داغ لگیگا۔ لوگ لاج کے خوف سے اور

نفرت سے مجھے بات تک نہیں لگائیںگے۔ اگر دیوتا کے پوتر چرنوں کی پوجا ہی نہیں کر سکتی۔ تو پران رکھنے سے فائدہ ہی کیا؟ لہذا یہ پران تیاگ کروں گی۔ دنیا میں اب کسی کو منھ نہ دکھاؤنگی جس منھ کے دیکھنے شوہر کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ منہ کیا دکھانا چاہیئے؟ مگر دکھ یہی ہے کہ انہوں نے مجھے بلا قصور تیاگ کیا ہے۔ وشواس گھاتنی۔ اور راکشسی کہہ کر مجھے پاؤں سے ٹھکرایا ہے معلوم ہوتا ہے۔ اندومتی نے تریندر ناتھ کی آخری بات سن لی تھی۔

یہ سوچتے سوچتے اندومتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار گنگا کے بہاؤ کی طرح رواں ہوگئی۔ پھر سوچنے لگی۔ میں تمام دکھ اور تمام تکالیف برداشت کرسکتی ہوں۔ مگر بلا قصور دکھ کیونکر سہہ سکونگی۔ ہائے! اس ابھاگنی کو کیوں موت نہ آئی؟ موت آجاتی تو تمام دکھوں سے نجات پاجاتی۔ میرے نصیبوں میں آگ لگی ہے۔ ایسے جلے نصیب کس کے ہوں گے؟ ایسا شوہر پاؤں گی۔ پچھلے جنم کے کرموں کے پھل سے پایا تھا۔ بدقسمتی سے سکھ کے راستہ میں کانٹا آگیا میں بھکارنی! میری قسمت رانیوں کی طرح کیونکر ہوگی؟ اس دکھ سے تو مجھے موت ہی اچھی تھی۔

بہتیرے اسی طرح دکھ کے تیروں کا نشانہ بن کر موت کو پکارتے ہیں مگر کتنے مرتے ہیں؟ اگر اس کے بس کی بات ہوتی تو اندومتی بھی مرجاتی۔ ضرور مرجاتی۔ اندومتی کا دل اس وقت نہایت ہی پر استقلال تھا۔ نہ رونا تھا۔ اور نہ ہنسی! نہ رنج۔ نہ خوشی۔ وہ جڑ کی طرح سخت ہوگئی تھی۔ وہ مسرت آمیز لہجہ میں دل ہی دل میں کہنے لگی "ناتھ! تم نے مجھے بلا قصور تیاگ کیا ہے۔ اچھا ہوا۔ تمہیں دکھ پہنچانے کے لئے اب میں نہیں ٹھہروں گی۔ لیکن اگر اس داسی کی عرض اس جنم میں خواہ دوسرے جنم میں یا ہزاروں جنموں میں صحیح ثابت ہو۔ تو دیا کر کے پھر اس داسی کو قبول کرنا۔ دل میں بڑی امید تھی کہ جاتے وقت تمہارا وہی ہنس مکھ چہرہ اور وہ تسکین دینے والی پیاری پیاری ہنسی ایکبار ضرور دیکھوں گی۔ مگر بدقسمتی نے اس سے بھی محروم کردیا۔ یہی دکھ ہے"۔

یہ کہکر اندومتی نے تمام قیمتی زیورات و جواہر ایک ایک کر کے اتار کر پھینک دیئے۔

ہاتوں میں صرف دو چوڑیاں رہ گئیں اور ایک سفید ساڑھی پہن لی اور سریندر ناتھ کی سلامتی و اقبال کی دعائیں مانگنے لگی۔

دُکھ درد کی ستائی ہوئی اندومتی نے سریندر ناتھ کا مکان چھوڑا۔

اٹھارہواں باب

تمام محل میں کہرام مچ گیا۔ کہ اندومتی گھر میں نہیں ہے۔ شیل بالا بھی نہیں۔ دونوں میں ایک بھی نہیں۔ مالکن نے ایک ایک کمرا کر کے تمام مکان چھان مارا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ دو ستر ط چلاتی تھیں۔ اور روتی چلاتی تھیں۔ رائے مہاشے بدحواسی سے بار بار اندر جاتے تھے اور باہر آتے تھے۔ کشیترمتی۔ چپتامتی۔ رام متی۔ راج متی۔ سکھی متی وغیرہ اندر کے محلوں میں تلاش کرتے تھے ہار گئیں مگر کسی نے اندومتی یا شیل بالا کو نہیں پایا۔

رائے مہاشے کا تمام عملہ گاؤں کے کونے کونے میں اندومتی کی تلاش کر رہا تھا۔ رائے مہاشے نے تمام گاؤں میں منادی کرادی۔ کہ جو اندومتی کا پتہ لگالے یا اس کے متعلق کوئی خبر سنائیگا۔ اُسے معقول انعام ملیگا۔ نوکروں کے درمیان اندومتی کے متعلق بات چیت ہونے لگی گاؤں کے کسانوں نے خوش ہو کر اپنا ہل بیل رکھ دئیے۔ اور اندومتی کی تلاش میں نکلے۔ ان لوگوں میں سے کوئی اندومتی نہیں پہچانتا تھا۔ وہ کیسے کامیاب ہونگے تعجب ہوتا ہے۔

محلہ کی بہوئیں مندروں میں تلاش کرنے لگیں۔ انہیں پورا پورا یقین تھا۔ کہ اندومتی مل جائیگی۔ اور ہمیں انعام ملیگا۔ بہوؤں میں بعض بعض سوچتی تھیں۔ اگر اندومتی مل گئی تو وہ اپنی بڑی بہن کے بڑے لڑکے لئے ایک چینی کی گڑیا خرید دیگی۔

لڑکیوں نے بھی سوچا۔ اگر کہیں اندومتی مل جائے تو وہ اپنی سکھی کو ایک جوڑا گسے سیری چوڑی کا خرید دیگی۔ مگر اُن میں سے کسی کے نصیب میں انعام نہیں تھا۔ اسوجہ بہوئیں اور لڑکیاں بہت دُکھی ہوئیں۔ ہم کہتے ہیں اس رنج سے کیا فائدہ؟ اپنے اپنے تیل اور سیندور کے بکس سے دو چار پیسے نکال کر اپنے اپنے دل کا حوصلہ پورا کر لیں۔ اس میں اپنی

آتم مریاد ابھی ہے۔ کیا یہ اچھی صلاح نہیں؟
گانوں میں اندومتی کے بھاگنے کی خبر مشہور ہوگئی۔ نیچ ذات کی کتنی ہی عورتیں پانی کا گھڑا سر رکھے ہوئے پانی لے جا رہی تھیں۔ انہوں نے بھی یہ خبر سنی۔ راستہ میں ایک نے دوسری سے کہا۔ دیدی! کچھ سنا۔ رائے صاحب کے گھر کی بہو بھاگ گئی!
اس نے متحیر ہو کر کہا۔ کیا بہن کیا۔؟ تو نے کس کے منھ سے سنا؟
ایک تیسری عورت نے منھ ٹیڑھا کر کے ناک بھوں چڑھا کر اپنی خودداری شوہر پرستی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ چاہے بہن جان جائے۔ وہ بات نہیں ہوتی تو گلے میں پھانسی لگا کر مر جاتی۔ ایسے گھر کی بہو
اس کے بعد پہلی نے دوسری کے کان میں نہ معلوم کیا کیا کہا۔ عورتوں کا سبھاؤ۔ جانتے ہو یا نہیں تل کو تاڑ کر دیتی ہیں۔ سچ بولنے سے جیسا ان کا سر پھٹتا ہے۔ ان عورتوں نے بھی جہاں تک ہو سکا جھوٹ سچ کہنے میں غفلت نہ کی۔
اس وقت دوسری عورت نے حیرت انداز سے کہا۔ چھی چھی! کہیں عورتیں بھی ایسا کام کرتی ہیں بہن! تو نے کیسے جانا!
تیسری عورت۔ کیوں؟ کل رات کو انہوں نے کہا تھا۔ بہن! بڑے گھر کی بہو ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ اس عادتوں میں کچھ تبدیلی تھوڑا ہی آ جاتی ہے۔
جس کا جیسا سبھاؤ ہوتا ہے۔ اس کے ویسے ہی کام بھی ہوتے ہیں۔ نہ معلوم کہاں سے زمیندار بابو بہو لے آئے تھے۔ زمیندار آدمی جو کرے۔ وہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں ہم لوگوں میں ہوتا تو آج ہی مہابھارت مچ جاتا کہیں منھ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہتے۔
اس قسم کی بہتیری باتیں کرتے کرتے اور مضحکہ اڑاتے اڑاتے عورتیں اپنے اپنے گھر گئیں شوہر کی دہائی دیکر عورتوں نے جو کہا۔ ان کے مردوں کو یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا۔ یا بھولے نہیں۔ دوسری عورتوں کو یقین دلانے کے لئے شوہر کی دہائی دی اے عورتو! تمہاری عقل پر آفریں ہے۔
یکایک یہ خبر مشہور ہو گئی ــ بہو آتی ہے۔ "بہو آتی ہے" سب کی زبان پر یہی ایک بات

تھی۔ بہو آتی ہے۔ رائے مہاشے یہ خبر سُنکر گھبرائے ہوئے جلدی سے محل کے صدر دروازے پر آئے۔ اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ مگر نہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ کچھ دیر بعد دیکھا۔ ایک پالکی کے پیچھے پیچھے ایک شخص تیزی سے دوڑا آرہا ہے۔ رائے مہاشے نے اُس وقت سوچا۔ کہ اسی پالکی میں بہو آرہی ہے۔ نوکر نے بھی یہی کہا۔ اور سب بے صبری سے پالکی کا انتظار کرنے لگے۔ سب خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔

دیکھتے دیکھتے پالکی صدر راستہ سے دوسرے راستہ پر چلی گئی۔ پالکی کے ساتھ والے شخص سے ایک نوکر نے پوچھا۔ تم کہاں جاؤ گے؟ اُس نے جواب دیا۔ ماں سخت بیمار ہے۔ اسی سبب سے سسرال سے بیوی کو لے کر آرہا ہوں۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ پالکی والے رائے مہاشے کا گھر نہیں پہچانتے۔ اسی وجہ سے دوسرے راستے لئے جا رہے ہیں۔ مگر یہ جواب سُنکر تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ رائے مہاشے کا چہرہ اُتر گیا۔

اُسی جگہ کتنے ہی لڑکے کھڑے تھے۔ جب دیکھا کہ یہ بہو رائے مہاشے کے گھر کی نہیں ہے تو لڑکوں کا وہ گروہ پالکی کے پیچھے پیچھے دوڑا اور تالیاں بجانے بجانے جو جس کے منہ میں آیا کہنے لگا۔ کسی کسی نے یہ کہنا شروع کیا۔

پاگل باپ اور پاگل پوت یہ دونوں ہیں حرم کے دوت

کسی کسی نے کہا۔ کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے۔ رائے مہاشے کا یہی مکان ہے۔

بعض لوگوں نے پالکی کے کہاروں سے مخاطب ہو کر کہا:۔ مجھ پر ہو گی گئی رشک کر یہ بہو کو لاؤ ہمارے گھر

ادھر خیر مقدم کرنے والے سب کے سب مایوس ہو کر مکان میں پھرنے لگے۔ کسی نے اندومتی یا شیل بالا کا پتہ نہیں پایا۔ پتہ لگانا تو درکنار۔ اُس کے متعلق کوئی معمولی خبر بھی نہیں ملی۔ رائے مہاشے یہ سُنکر مایوسانہ انداز سے بیٹھے ہوئے فکر میں غوطہ زن ہو گئے۔

اُنیسواں باب ۱۹

خالی مکان میں!

نریندر ناتھ نے اندومتی کے جانے کے بعد دس بندرہ دن تک خوابگاہ میں نہیں گئے۔ نیز

معلوم کیا سوچ کر آج گئے۔ وہاں پہنچکر بہت دیر تک وہ روتے رہے۔ اس کے بعد اندو متی کی جتنی پیاری پیاری چیزیں تھیں۔ سب کو توڑنے پھوڑنے لگے۔ اندومتی کے پاس ایک سونے کا گلوری دان تھا۔ نرنیدرناتھ نے اُسے بھی پٹک کر توڑ دیا۔ اُس کے بعد اندو کا آئینہ۔ کنگھی تیل کی شیشی۔ کانچ کا گلاس۔ رکابی ایک ایک کر کے سب توڑ پھوڑ دیں اس کے بعد اندومتی نے اُن سے جو دو یاز کی تصویریں تیار کی تھیں۔ وہ اُٹھائیں۔ ان دونوں پر سنہری فریم تھا۔ وہ بھی توڑ ڈالا۔ اُس پر لکھا تھا "میرے آسمان دل دھرو تارا نرنیدر ناتھ رائے کو بطور تحفہ محبت پیش کرتی ہوں۔ اندومتی"

اُنھوں نے اُس تصویر اور عبارت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے چاہے۔ مگر ناکامیاب رہے پھر اُنھوں نے پاؤں تلے روندنا شروع کیا۔ نرنیدر ناتھ یہ کیسی حرکت کر رہے تھے۔ چھی! اس کے بعد نرنیدر ناتھ جس پلنگ پر سوتے تھے۔ اُسے بھی الٹ دیا۔ اور بیٹھ کر سوچنے لگے۔ پہلے سوچ۔ اندو کی وہ محبت کے رس میں ڈوبی ہوئی دل پر کیسا اثر ڈالتی تھیں پھر سوچنے لگے ہائے! میں نے اس رتن کی قدر کیوں نہ کی؟ نظر رکھتے ہوئے بھی میں نے ناقدردانی کے ہاتوں اُس گراں قدر جواہر کو خاک میں ملا دیا۔ میں بندر ہوں جواہر کی قدر کیا جانوں! اندومتی جانے دو مجھے لطیفے دیکھنے کے لئے کس قدر رونی چلائی تھی۔ روتے روتے اُس کی آنکھیں کس قدر سرخ ہو گئیں تھیں۔ میں سنگدل ہوں۔ بیوقوف مجھ میں تمیز کی طاقت نہیں۔ میں پشاچ ہوں۔ پشاچ کے ساتھ سورگ کی دیوی کا ملاپ کیوں ہوگا؟

یہ سوچ کر نرنیدر ناتھ یکایک برقی رفتار سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دل ہی دل میں آہستہ آہستہ کہنے لگے۔ میں نے اندومتی کو پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ غیر ممکن:۔ ابھی اس قدر سنگدل نہیں ہوا ۔ ہوا تھا۔ مگر کب؟ جب اندومتی کو گھر سے باہر نکالا تھا۔ اُس وقت میری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ چوری۔ رہزنی۔ خون دنیا کا سب سے زیادہ پاپ اور نہایت ہی قابل نفرت کام غرض مجھ سے تمام ہو سکتے ہیں جس نے بُرے بھلے کی تمیز نہیں۔ وہ کیا انسان ہے؟ کیسے دُکھ کی بات ہے۔ میرا دل

خالی کیوں معلوم ہوتا ہے؟ اندھیرے گھر میں رہتے ہوئے بھی جیسے کوئی نہیں بولتا۔ اسی طرح میرے دل کی بھی حالت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ جس کی طاقت سے اتنے دنوں تک طاقتور تھا۔ اسوقت وہ سے کھو چکا ہوں۔ اس کے رہتے ہوئے شاید اسقدر دل میں ہلچل نہ مچتی۔ پران اسقدر اداس نہ ہوتا۔ اس گھر میں کیا تھا؟ اب کیا ہو گیا؟ اندومتی کے گھر چھوڑنے کے ساتھ ہی گھر بھی۔ جیسے ناپاک ہو گیا۔ جس کی دولت سے اگر اس نے پرواہ نہ کی۔ تو کون کرے گا؟ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ مگر پھر بھی اپنا اپنا ہی ہے۔

اسوقت نریندر ناتھ بے چینی سے کھڑکی کے پاس آکر آسمان کیطرف دیکھنے لگے۔ دیکھا چاند نہیں نکلا۔ ستارے بھی نہیں نکلے۔ تاریک رات تھی۔ نریندر ناتھ کو تاریکی کی وجہ سے درخت۔ پھل، پھول اور پتے کچھ نظر نہیں آئے۔ رات کی تاریکی میں پھولوں کی خوشبو اور ان کے پرلطف نظاروں کی بہار لوٹتے ——— اندو کی انگلی پکڑ کر اس کے ساتھ ٹہلتے اور آپس میں ہنسی مذاق۔ چہل و دل لگی کی کتنی ہی باتیں کرتے۔ مگر اس کی عدم موجودگی میں سب کچھ ناپید ہو گیا۔ آج نریندر کے دل میں خوشی کا قطعی نام و نشان نہیں تھا۔ بلکہ عہد گذشتہ کی یاد نے ان کے دل پر ایک زبردست چرکہ لگایا۔ نریندر ناتھ نے۔ دیکھ کر۔ سنکر سوچکر دل ہی دل میں طے کیا۔ کہ اندومتی کو سب ہی پیار کرتے ہیں۔ اس کی جدائی میں ہی دنیا ماتمی لباس سے ملبوس ہے ——— اس جیسا کوئی نہیں۔

ہے صرف ——— نریندر ناتھ!!

بیسواں باب ۲۰

خط

تارا کانت نریندر ناتھ کے پڑوسی اور جاں نثار دوست تھے۔ ان دونوں پڑوسیوں کا ایک جان کا مسئلہ صادق آتا تھا۔ صبح اٹھ کر تارا کانت کے نوکر نے انہیں ایک خط دیا۔ تارا کانت نریندر ناتھ کا خط پہچانتے تھے۔ خط دیکھتے ہی انہوں نے پہچان لیا

اتنے سویرے اُن کا خط کیوں آیا؟ تارا کانت بہت گھبرائے۔ جلدی سے پڑھنے لگے

تارا کانت!

خواہش تھی تم سے دو چار باتیں کہتا جاؤں گا۔ مگر ایسا موقع نہیں ملا۔ کاش! ملتا تو کیا تم مجھے کبھی آنے دیتے۔ تمہاری آنکھوں سے جمنا کی دھار بہتے دیکھ کر اور تمہیں ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لیتے دیکھ کر۔ کیا میں کبھی ادھر کا رُخ کر سکتا تھا؟ کبھی نہیں۔ تم کہو گے میرا دل پتھر کا ہے۔ اور اس میں شک ہی کیا ہے؟ میں اسوقت پتھر سے کہیں زیادہ سخت دل بن گیا ہوں؟ اس دُنیا میں انسان کی شناخت بہت مشکل ہے۔ کون کیا دیکھتا ہے اور کیا سمجھتا ہے؟

اُس کی نسبت کیا کچھ کہا جا سکتا ہے۔ کون کہتا ہے۔ کہ انسان دیوتا ہے؟ انسان راکھشس ہے ایسا دُنیا میں کوئی کام نہیں۔ جو یہ راکھشس نہ کرے۔ ورنہ باپ کے سمندر میں شرابور گورمتی بُرا بھلا سمجھا کر میرے سُکھ کے بسر ہونیوالی زندگی کا شیرازہ منتشر کر دیتی۔ تقریباً ایک مہینہ ہُوا۔ تم نے پرتول کی خصومت کے مختلف ثبوت دیئے تھے ـــ اور دکھا دیئے تھے۔ ایسا بُرے کام کے مرتکب ہو کر ہی گورمتی و پرتول دیس تیاگی ہوئے تھے۔ اس کا بھی پورا پورا ثبوت دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب سمجھ میں آیا۔ میری غلطیوں اور قصور سے ہی اندومتی نے گھر چھوڑا۔

بھائی! اس وقت اُس ہیبتناک وقت کی بات یاد آنے سے تمام جسم میں جیسے زہر سرایت کر جاتا ہے۔ جس کی محبت کا فرحت اثر اور خوشگوار رس پی کر مجھ میں از سر نو جان آ گئی تھی جس نے اس خانۂ تاریک میں اپنے نُور سے نُور کی بارش کی تھی۔ ہائے! اُس بے گناہ اندومتی کو پاؤں سے ٹھکرا کر اسوقت مایوس دل سے طرح طرح کی تکالیفیں اُٹھا رہا ہوں۔ اس وقت میرے دل میں وہ سُکھ نہیں۔ وہ لطف نہیں۔ پہلے کچھ نہیں۔ اگر کچھ ہے۔ تو وہ رنج و غم کی دھدکتی ہوئی آگ تارا کانت! یہ آگ کس زور سے جل رہی ہے۔ اس کی نسبت تم سے کیا کہوں؟ اگر دل کو چیر کر دکھا سکتا۔ تو دکھا دیتا۔

اس دُنیا میں اگر کچھ سُکھ ہے۔ تو وہ عورت کا پیار و محبت! اس کے رُوبرُو سُرگ کا سُکھ بھی

ہیچ ہے۔ دُکھ کی آگ میں جسوقت دِل جلنے لگتا ہے۔ جس وقت دِل الم کے بحر بیکراں میں غوطے لگاتا ہے۔ اُس وقت اگر بیوی کی محبّت کا پُر لطف نظارہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ تو دم کے دم میں یہ رنج و غم دُور ہو جائے۔ اور دل خوشی سے پُر ہو جائے۔ دُنیا کا سُکھ اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ شادی کرنے سے ان سب باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ بدھاتا کی سرشٹی میں کتنی سُکھ کی چیزیں اور کتنی ہی دلفریب اشیا ہیں۔ ان کی کمی نہیں ہے۔ مگر ان سب میں اب مجھے ذرا بھی دلبستگی نہیں رہی۔ اور نہ وہ مجھے سُکھ دے سکتی ہیں۔ میرا دل مغموم و مایوس ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ سمجھتا ہوں۔ کہ دُنیا میں عورت ہی شانتی دینے والی ہے۔ مگر سمجھ بُوجھ کر بھی کیا کیا؟ بغیر تصوُّر ناکردہ گناہ۔ پیار و محبّت کی وہ شے۔ جسے مٹی میں رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہائے اُس جان سے زیادہ عزیز **اندومتی** کو جنم بھر کے لئے کھو دیا۔ پھر اب سُکھ کی کیا اُمید کروں؟ **اندومتی** کے ساتھ ساتھ ہی میرا سُکھ چلا گیا۔ اس وقت میں اسی سُکھ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر پاؤں گا تو واپس آؤں گا۔ ورنہ اس خط کو دیکھ کر ہی کبھی کبھی مجھے یاد کر لینا۔

اور ایک بات ہے۔ خالی پنجرا رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر چڑیا ہو۔ تو وہی پنجرے کی خوبصورتی اور زینت ہے۔ پرند کے پرواز کرتے ہی پنجرے کی قدر جاتی رہتی ہے۔ میری بھی یہی حالت ہوئی ہے۔ **اندومتی** کے لئے اتنے دنوں تک جو جسم تھا۔ وہ آج اندومتی کے بغیر بے رونق کیوں نہ ہو؟ جب یہ حال ہے۔ تو پھر اس جسم کو رکھنے کی ضرورت ہی کیا؟ کس لئے اب اس جسم کی قدر کروں؟ اگر اندومتی گھر میں ہوتی۔ تو مجھے موت کی خواہش نہ ہوتی۔ اُس وقت سوچتا کہ مرنے کے بعد تو **اندومتی** کا چاند جیسا مکھڑا نہیں دیکھ سکوں گا۔ اندومتی کو بھی سخت دُکھ ہو گا۔ مگر اسوقت تہیّہ کیا ہے۔ پانی میں، دھوپ میں بھوکوں مر کر غرض جس طرح ہو سکا۔ اس قالب خاکی سے علیحدگی اختیار کر دوں گا۔ بے جان جسم کی تکالیف اب برداشت نہیں کر سکتا۔

سچی بات تو یہ ہے۔ کہ دُنیا کی کوئی چیز مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سب ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے ان میں جان نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ تم پھولوں سے لدی ہوئی شاخ دیکھ کر

اتنے سویرے اُن کا خط کیوں آیا؟ تارا کانت بہت گھبرائے۔ جلدی سے پڑھنے لگے

تارا کانت!

خواہش تھی تم سے دو چار باتیں کہتا جاؤں گا۔ مگر ایسا موقع نہیں ملا۔ کاش! ملتا تو کیا تم مجھے کبھی آنے دیتے۔ تمہاری آنکھوں سے جمنا کی دھار بہتے دیکھ کر اور تمہیں ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لیتے دیکھ کر۔ کیا میں کبھی ادھر کا رُخ کر سکتا تھا؟ کبھی نہیں۔ تم کہو گے میرا دل پتھر کا ہے۔ اور اس میں شک ہی کیا ہے؟ میں اس وقت پتھر سے کہیں زیادہ سخت دل بن گیا ہوں؟ اس دُنیا میں انسان کی شناخت بہت مشکل ہے۔ کون کیا دیکھتا ہے اور کیا سمجھتا ہے؟

اُس کی نسبت کیا کچھ کہا جا سکتا ہے۔ کون کہتا ہے۔ کہ انسان دیوتا ہے؟ انسان راکھشس ہے ایسا دُنیا میں کوئی کام نہیں۔ جو یہ راکھشس نہ کرے۔ ورنہ باپ کے سمندر میں تیرا ہوا گورمتی بُرا بھلا سمجھا کر میرے سُکھ کے بسر ہونیوالی زندگی کا شیرازہ منتشر کر دیتی۔ تقریباً ایک مہینہ ہُوا۔ تم نے پرتول کی خصومت کے مختلف ثبوت دیئے تھے — اور دکھائے تھے۔ ایسا بُرے کام کے مرتکب ہو کر ہی گورمتی و پرتول دیس تیاگی ہوئے تھے۔ اس کا بھی پُورا پُورا ثبوت دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب سمجھ میں آیا۔ میری غلطیوں اور قصور سے ہی **اندومتی** نے گھر چھوڑا۔

بھائی! اس وقت اُس ہیبتناک وقت کی بات یاد آنے سے تمام جسم میں جیسے زہر سرایت کر جاتا ہے۔ جس کی محبت کا فرحت افزا اور خوشگوار رس پی کر مجھ میں از سرِ نو جان آ گئی تھی جس نے اس خانۂ تاریک میں اپنے نُور سے نُور کی بارش کی تھی۔ ہائے! اُس بے گناہ اندومتی کو پاؤں سے ٹھکرا کر اس وقت میں دل سے طرح طرح کی تکالیفیں اُٹھا رہا ہوں۔ اس وقت میرے دل میں وہ سُکھ نہیں۔ وہ لطف نہیں۔ پہلے کچھ نہیں۔ اگر کچھ ہے۔ تو وہ رنج و غم کی دھدکتی ہوئی آگ تارا کانت! یہ آگ کس زور سے جل رہی ہے۔ اس کی نسبت تم سے کیا کہوں؟ اگر دل کو چیر کر دکھا سکتا۔ تو دکھا دیتا۔

اس دُنیا میں اگر کچھ سُکھ ہے۔ تو وہ عورت کا پیار و محبت! اس کے رُوبرُو سُرگ کا سُکھ بھی

ہیچ ہے۔ دُکھ کی آگ میں جسوقت دل جلنے لگتا ہے۔ جس وقت دِل الم کے بحر بیکراں میں غوطے لگاتا ہے۔ اُس وقت اگر بیوی کی محبّت کا پرلطف نظارہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ تو دم کے دم میں یہ رنج و غم دُور ہو جائے۔ اور دل خوشی سے بھرپور ہو جائے۔ دُنیا کا سُکھ اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ شادی کرنے سے ان سب باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ بدھاتا کی سرشٹی میں کتنی سُکھ کی چیزیں اور کتنی ہی دلفریب اشیا ہیں۔ ان کی کمی نہیں ہے۔ مگر ان سب میں اب مجھے ذرا بھی دلبستگی نہیں رہی۔ اور نہ وہ مجھے سُکھ دیسکتی ہیں۔ میرا دل مغموم و مایوس ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ سمجھتا ہوں۔ کہ دُنیا میں عورت ہی شانتی دینے والی ہے۔ مگر سمجھ بُوجھ کر بھی کیا کیا؟ بغیر قصور ناکردہ گناہ۔ پیار و محبّت کی وہ شے۔ جسے مٹی میں رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہائے اُس جان سے زیادہ عزیز **اندومتی** کو جنم بھر کے لئے کھو دیا۔ پھر اب سُکھ کی کیا اُمید کروں؟ **اندومتی** کے ساتھ ساتھ ہی میرا سُکھ چلا گیا۔ اس وقت میں اسی سُکھ کی تلاش میں جارہا ہوں۔ اگر پاؤں گا تو واپس آؤں گا۔ ورنہ اس خط کو دیکھ کر ہی کبھی کبھی مجھے یاد کر لینا۔

اور ایک بات ہے۔ خالی پنجرا رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر چڑیا ہو۔ تو وہی پنجرے کی خوبصورتی اور زینت ہے پرند کے پرواز کرتے ہی پنجرے کی قدر جاتی رہتی ہے۔ میری بھی یہی حالت ہوئی ہے۔ **اندومتی** کے لئے اتنے دنوں تک جو جسم تھا۔ وہ آج اندومتی کے بغیر بے رونق کیوں نہ ہو؟ جب یہ حال ہے۔ تو پھر اس جسم کو رکھنے کی ضرورت ہی کیا؟ کس لئے اب اس جسم کی قدر کروں؟ اگر اندومتی گھر میں ہوتی۔ تو مجھے موت کی خواہش نہ ہوتی۔ اُس وقت سوچتا کہ مرنے کے بعد تو **اندومتی** کا چاند جیسا مکھڑا نہیں دیکھ سکوں گا۔ اندومتی کو بھی سخت دُکھ ہوگا۔ مگر اسوقت تہیّہ کیا ہے۔ پانی میں، دھوپ میں بھوکوں مر مر کر غرض جس طرح ہو سکا۔ اس قالب خاکی سے علیحدگی اختیار کروں گا۔ بے جان جسم کی تکالیف اب برداشت نہیں کر سکتا۔

سچی بات تو یہ ہے۔ کہ دُنیا کی کوئی چیز مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سب ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے ان میں جان نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ تم پھولوں سے لدی ہوئی شاخ دیکھ کر

مفتوں ہو جاؤ۔ یا موسم بسنت میں رات کے آخری حصّہ میں سوتے ہوئے پپیہا جو نک کر " پیو آ
کہو " کا نہایت دلدوز مگر سریلا ترانہ الاپے اور تم اُس میں محو ہو جاؤ۔ یا نیم خوابی میں کسی کے
جذبۂ محبت میں ڈوبی ہوئی کوئل کی سی دلکش آواز سُنکر بیخود ہو جاؤ۔ مگر بھائی! اس وقت
ان سب میں مجھے کوئی شگفتگی نظر نہیں آتا۔ سب مجھے زہر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ خواہش
ہوتی ہے کہ جہاں یہ سب نظارے ہوں۔ میں وہاں سے کسی غیر آباد مقام میں چلا جاؤں مگر
میں جاہل مطلق ہوں۔ کہاں جاؤں گا؟ میرے لئے کہاں جگہ ہے؟
اور ایک دُکھ ہے۔ دُنیا چھوڑ کر انسان کہاں جا سکتا ہے۔ اس لئے جہاں جاؤں گا۔ اُسی
جگہ اندومتی کے پیار کی کتنی ہی چیزیں دیکھنے میں آئینگی۔ اندومتی جن چیزوں کو بہت پیار
کرتی تھی۔ اُنھیں دیکھ کر سینہ شق ہو جاتا ہے۔ میری اندومتی۔ جوہی۔ بیلا۔ چمیلی۔ چمپا۔
گلاب۔ مولسری وغیرہ پھولوں چاندنی نکھرتی ہوئی روشنی میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی
بھائی! بتاؤ۔ ان سب نظاروں کو اب میں کن آنکھوں سے دیکھوں گا؟ پھولوں سے بے پروائی
کر سکتا ہوں۔ مگر آسمان میں چاند طلوع ہو گا۔ تو کہاں بھاگ کر جاؤنگا۔ اور اُسے دیکھ کر
کیسے رہ سکوں گا۔ اسی وجہ سے کہتا ہوں۔ کہ دُنیا چھوڑ کر انسان کہاں جا سکتا ہے امید
کرتا ہوں۔ کہ تم مجھے کوئی ایسا راستہ بتاؤ گے۔ جس سے اس بیچین دل کو کسی قدر تسکین ہو
میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ تمہارے سوا اسوقت اور میرا کوئی نہیں ہے۔ اس بدنصیب
کو نہ بھولنا۔

تمہارا — بدنصیب
نریندر ناتھ۔

یہ خطرات کو ہی نریندر ناتھ خود تارا کانت کے نوکر کو دے گئے تھے۔

اکیسواں باب ۲۱

سکھی! اور نہیں

رات تاریک تھی۔ ہر چہار طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہات کو ہات نہیں سجھائی دیتا تھا
آسمان پر بادلوں کے جھُنڈ کے جھُنڈ نظر آتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ بہت جلد بارش ہوگی

بادلوں کے پردہ میں رہ رہ کر بجلی کھیلتی ہوئی نظر آرہی تھی۔
ایسے وقت میں بھکارنی اندومتی گھر چھوڑ کر چلی۔ گھر سے باہر قدم رکھتے ہوئے ہی اندومتی کی بیچینی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہوا چلنے لگی۔ اور دو ایک بوندیں بھی پڑنے لگیں اندومتی نے اسوقت پاگلوں کی طرح قدم بڑھائے۔ دوڑنے سے کیا ہوگا؟ دیکھتے دیکھتے موسلادھار بارش شروع ہوگئی۔ اندو بیکسی کی حالت میں رونے لگی۔ بارش کے پانی کے ساتھ ہی اندومتی کی آنکھوں کے آنسو بھی مِل گئے۔
اسوقت نہایت ہی پاکیزہ صفات اندومتی مایوس ہوکر گمراہ مسافر کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کس راستہ سے کسطرف جائیگی؟ اس کا کوئی فیصلہ نہ کرسکی گھوم پھر کر بار بار اُسی جگہ آنے لگی۔ تاریکی میں ڈوبی ہوئی دُنیا دیکھ کر اندومتی کوئی راستہ اختیار نہ کرسکی وہ راستہ بھی نہیں جانتی تھی۔ کیونکہ اُس نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد طوفان رُکا۔ پانی بند ہُوا۔ صرف رہ رہ کر بجلی چمکنے لگی۔ اندومتی کی جہاں تک نظر جاتی تھی وہاں تک بجلی چمکتی نظر آتی تھی۔ ٹھوکریں کھاتی کھاتی گاؤں سے باہر ہوئی۔
گاؤں کے باہر ہی ایک وسیع میدان تھا۔ اُس میں تال کے سر بفلک درخت تھے۔ وہ اپنا سر اُٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ اُن کا سایہ دیکھ کر اندومتی کے دل میں خوف پیدا ہُوا مگر اُس خوف کو ہیچ سمجھ کر نربیندناتھ کا نام لیتے لیتے میدان طے کیا۔ اور دو کوس آگے نکل گئی۔ تکان سے چورچور ہوکر اندومتی زمین پر ہی لیٹ رہی۔
اُس وقت آندھی پانی رُک گیا تھا۔ بجلی کی چمک نہیں دکھائی دیتی تھی۔ چاند نکل رہا تھا۔ گویا نور کی بارش سے صفحۂ عالم نکھر آیا تھا۔ چاند کی تھرکتی ہوئی روشنی میں اندومتی کو رفتہ رفتہ ایک باغ نظر آیا۔ سوچا۔ کہ باغ میں بیٹھ کر ذرا دم لونگی۔ یہ سوچ کر وہ اُسی باغ کی طرف چلی۔ آہستہ آہستہ وہ باغ میں داخل ہوئی۔ دیکھا باغ کے وسط میں ایک بڑا تالاب ہے۔ چاروں طرف پختہ گھاٹ ہیں۔ پانی دودھ کی طرح صاف شفاف تھا۔ یہ تالاب بہت پُرانا تھا۔ بیچ بیچ میں سرخ کمل کے کتنے ہی درخت تھے۔ شگفتہ کمل کی روشنی نکھر کر نوخیز نازنین کے دلاویز تبسم کی طرح نظر آرہے تھے۔ اندومتی یہ پُرلطف نظارہ

دیکھ کر وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی۔ ایک گھاٹ کے زینہ سے اُترنے لگی۔ کیوں؟ یہ ہی جانے۔ ایک دو رُک رُک کے تقریباً بیس پچیس زینے اُتر پانی کے پاس پہنچی۔ بعدازاں بیٹھے بیٹھے پانی کو تموّج میں لاتے ہوئے خود بخود نہ معلوم کیا کہنے لگی۔ رفتہ رفتہ اپنے دونوں پاؤں پانی میں ڈالے۔ پانی کے اندر اُن خوبصورت پاؤں کا حُسن بادلوں سے گھرے ہوئے چاند کی طرح ایک پُرلطف نظارہ کا سماں دکھلانے لگا۔ اندومتی بےخوفی سے آہستہ آہستہ گلے تک پانی میں پہنچی۔ اور دیر تک نہ معلوم کیا سوچ کر اُس میں ڈوبی کھڑی رہی مگر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی۔ سانس پھولنے لگا۔ اور گلا بھر آیا ــــ اندو! کیا تم مرجاتی ہو؟ پانی میں کیا اسی طرح ڈوبنا ہوتا ہے؟ تم مرنا نہیں جانتیں۔ پھر مرنے کیوں آئیں؟ گھر لوٹ جاؤ۔

اندومتی نے ہماری بات نہیں سُنی۔ مرنے کا پختہ ارادہ کرکے وہ اتھاہ پانی میں جانے لگی۔ یکایک یہ راگ کانوں میں سُنائی دیا۔ اُس پار سے نہ معلوم کون گا رہا تھا۔

پریم سمندھو میں لہر اُٹھت ہے کوئی سودن ترت نہ جائی
ھنو ھنو میں لہر لہر ہے تُوٹ نہ کوئی ترائی
شیام تمہیں کیوٹ ہو جاتر ڈوبت لیو بچائی
تم بن اور سہارا ناہیں ہم تمھرے شرنائی
تراہ تراہ کر جیون بیتی ہوں لے لے نام تمہارا
نس دن ملپ رہی من ماہیں دیو اب اپنا سہارا

اُس راگ میں کیسے کیسے جذبات پنہاں تھے۔ گویا غنچہ دل میں لہریں اُٹھتی تھیں۔ اور پھر فنا ہو کر پانی میں ہم رنگ ہو جاتی تھیں۔ ان کا اتصال اور ملاپ ایک ایسا نظارہ پیش کر رہا تھا جس سے دل پر حقیقت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ جسم کے ایک ایک عضو پر وہی ترانہ سُنائی دینے لگا۔ سازِ دل کے تمام تارِ جھنجھنا اُٹھے۔



اندومتی اور کچھ کہہ سکی - وغیرہ -

گانا ختم ہُوا۔ گانیوالی نے کہا۔ اندُو! اری اندُو!! سکھی کیا کرتی ہے؟ میں آگئی ہُوں۔
گانا سُنکر اندومتی چونک اُٹھی۔ اور آواز پہچان لی۔ پانی میں ڈُوب کر مر نہ سکی۔ جلدی جلدی پانی سے نکلکر باہر آ گئی۔ اور بولی "شیل! تُو میرے راستہ میں کانٹا ثابت ہوئی"۔
اندومتی اور کچھ نہ کہہ سکی۔ شیل بالا نے پہنچ کر اندومتی کو گلے سے لگا لیا۔ دونوں کی آنکھوں سے اسوقت منداکنی کی دھار رواں ہوکر دونوں کے سینہ کو تر کر دیا۔ عورت کا دل جیسے دوسروں کی مصیبت دیکھ کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ہم پُوچھتے ہیں۔ کہ کیا اور کسی کا بھی ایسا ہے؟
جسوقت اندومتی گھر سے نکلکر چلی تھی۔ اُسی وقت شیل بالا بھی کسی کام سے باہر نکل آئی تھی۔ اُسوقت ذرا ذرا بارش ہو رہی تھی۔ شیل بالا اندومتی کو پاگلوں کی طرح دوڑتے دیکھ کر سمجھ گئی تھی۔ کہ کوئی۔ کہ کوئی زبردست مصیبت در پیش ہُوئی۔ ایسے بُرے وقت میں کہیں جانا سخت خطرناک ہے۔ اندومتی کی روانگی کے وقت اُسے کچھ بُرا بھلا کہنے کا موقع نہیں ملا۔ بالخصوص شیل بالا کو اُسوقت اپنی خوابگاہ میں جانے کی خواہش ہُوئی تھی۔ اس وجہ سے اُس کے آتے آتے اندُومتی دُور تک پہنچ گئی تھی۔ شیل بالا اُسوقت اندومتی کے پیچھے پیچھے چلی۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے اُسے نہیں دیکھ سکی اور چلتے چلتے باغ پہنچی۔ تالاب کے پاس پہنچے پر اندومتی کو دیکھا۔ پہلے تو دیکھ کر کچھ نہیں بولی۔ صرف اُس کی حرکات کا تماشہ دیکھنے لگی جب دیکھا۔ کہ اندومتی مرنے کے لئے پانی میں ڈُوبنا چاہتی ہے۔ اُسوقت شیل بالا کے دل میں بہت خوف معلُوم ہُوا۔ اُس نے گانا شروع کیا جسے گانا سُنکر اندومتی ڈُوب نہ سکی۔
جوہو۔ شیل بالا نے اندومتی کے آنسو اپنے آنچل سے پونچھے۔ اور مشتاقانہ انداز سے کہا۔ یہاں کیوں آئی؟
اندومتی خاموش تھی۔ مگر یہ بات سُنکر اندومتی کی آنسوؤں کی دھار چشمہ کے پانی کی طرح ہُوئی۔ شیل بالا نے پھر کہا۔ سکھی! بتا کیا ہُوا؟
اندومتی خاموش تھی۔ مگر یہ بات سُنکر اندومتی کی آنسوؤں کی دھار چشمہ کے پانی کی طرح بہنے لگی

ہوئی۔ شیل بالا نے پھر کہا:۔ سکھی! بتا کیا ہوا؟
اندومتی نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صرف روتی رہی۔ شیل بالا نے اندومتی کی یہ حالت بیتابانہ انداز سے کہا۔ یہ کیا سکھی۔ کچھ کہتی کیوں نہیں؟
اس مرتبہ اندومتی نے اپنے آپ پر جبر کر کے کہا:۔ سکھی! جی جلتا ہے۔ اس لئے روتی ہوں مرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملی۔ اسی لئے یہاں آئی ہوں۔
شیل بالا نے گھبرا کر کہا۔ چھی! ارے چھی چھی! کوئی ایسی بات بھی کہتا ہے۔
شیل بالا نے اسوقت اصل حال جاننے کے لئے اندومتی سے اصرار کیا۔ اندومتی اب نہ چھپا سکی۔ روتے روتے تمام داستان بیان کی۔ سُنکر شیل بالا نے مسکراتے ہوئے کہا:۔ چھی! اسی لئے مرنے آئی ہے۔ خودکشی گناہِ عظیم ہے۔ سکھی۔ پاپ کا پھل تو بھوگنا ہی پڑیگا۔
اندومتی نے روتے کہا:۔ سکھی! جس دُکھ سے میرا دل جل رہا ہے۔ اُس سے تو موت ہزار درجہ بہتر ہے۔ میرے ایسے نصیب کہاں؟ ایسا کوئی پُنیہ کا پھل بھی نہیں۔ جس سے پھر شوہر کے قدموں کی سیوا کر سکونگی۔ یہ اُمید موہوم ہے۔
سکھی! رنج نہ کر۔ ضرور ایک دن اچھا آئیگا۔ مصیبت بہت دنوں تک نہیں رہتی!
اندومتی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:۔ مجھے اُنھوں نے تیاگ۔ اس کا دُکھ سے رہتی اسی میں مجھے سُکھ اور شانتی ہے۔ ایسے دیوتا کی میں پُوجا نہیں کر سکونگی۔ مجھے اسی بات کا دُکھ ہے۔
شیل بالا نے اندومتی کو سمجھاتے سمجھاتے کہا:۔ سکھی! تمہارے دیوتا پر کسی کا کوئی ادھکار نہیں اُن کی مورتی کا جلوہ تیری رگ رگ میں ہے۔ اس وقت دل میں بٹھا کر بھکتی بھاؤ سے اُن کی پُوجا کر۔ اگر اس جنم میں نہ پایا۔ تو اگلے جنم میں ضرور پائیگی۔ سکھی پھر تجھے اور کچھ سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟
اندومتی خاموش ہوگئی۔
پانی میں دیر تک رہنے کی وجہ سے اندومتی کے تمام کپڑے تر بتر ہوگئے تھے۔ اور وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔ شیل بالا نے جلدی جلدی سے ایک کپڑا اُڑھا دیا۔ معلوم ہوتا ہے

آتے ہوئے **شیل بالا** پھر وہ کپڑا لینے کے لئے ہی واپس گئی تھی۔ جو ہو اندومتی نے کپڑا پہنا۔ شیل بالا نے پوچھا۔ سکھی! اسوقت کیا کریگی؟ چلو دونوں گھر لوٹ چلیں۔

اندومتی نے مضطرب ہو کر رقت آمیز لہجہ میں کہا: سکھی اب وہ بات نہ کہو۔ اُس راستہ میں کانٹا بچھ گیا۔ اب وہ کیا یہ بدنصیب منہ دیکھینگے؟

شیل بالا:- کیوں؟ سکھی!

اندومتی:- تم سے سب تو کہہ چکی ہوں۔

اندومتی نے اور کوئی بات نہیں کہی۔ دل ہی دل میں سوچا واپس جانے کی کسے خواہش نہیں ہوتی؟ اُس پاک اور پیارے پیارے منھ کو کسے دیکھنے کی خواہش نہیں ہوتی مگر واپس کس طرح ہونگی؟ اور کون منھ دکھاؤں گی؟ یہ نفرت آمیز کلنک کا ٹیکا اس بدنصیب کی پیشانی پر لگا ہے۔ اُس کا خیال آتے ہی زہر کا پیالہ پی لینے کو طبیعت چاہتی ہے۔ اور دل میں آتا ہے۔ یہ جلا ہوا منھ کیونکر لوگوں کو دکھاؤں گی؟ اور کیوں اُن کے دل کو تکلیف پہچانے کے لئے جاؤں گی۔ دھرتی ماتا! تم اپنا سینہ چاک کرو۔ میں اُسمیں سما جاؤں۔ تاکہ اس دُکھ درد سے نجات پاؤں۔ پھر سوچا۔ عورت کو لازم ہے۔ شوہر کے سُکھ کے راستہ کو صاف رکھے۔ میں اُس راستہ میں کانٹا ثابت ہونے کے لئے کیوں جاؤں گی۔ بولی سکھی! اب میں گھر نہ جاؤں گی۔ اس وقت میرا مرنا ہی بھلا ہے۔

یہ کہتے کہتے اندومتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شیل بالا نے سوچا تھا۔ اندومتی کے دل کو کسی قدر تسکین ہونے پر میں اُسے سمجھا بجھا کر گھر واپس لے جاؤں گی۔ لیکن اندومتی کے دل نازک پر لگے ہوئے سخت زخموں کو دیکھ کر اُس کی یہ امید مایوسی سے تبدیل ہو گئی۔ مگر پھر بھی اُس نے خیال کیا کہ ایک مرتبہ اور بھی کوشش کر دیکھوں۔ شاید میں اُسے گھر واپس لیجانے میں کامیاب ہی ہو جاؤں اسی لئے اُس نے کہا۔ سکھی! چلو۔ اب گھر واپس چلیں۔

اندومتی نے پُر اضطرار لہجہ میں جواب دیا۔ نہیں سکھی! نہیں۔ اب میں ہرگز نہ جاؤنگی۔

بائیسواں باب ۲۲

خط کا جواب

دن بہت تھوڑا رہ گیا تھا تارا کانت باہر کے کمرے میں تن تنہا ایک دھوتی اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ اُن کا دل نہایت غمگین اور متفکر تھا۔ نریندر ناتھ کا خیال رہ رہ کر انہیں بےچین کئے دیتا تھا آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے آنسو! تم کیوں باہر آتے ہو؟ خاموش دل میں رہتے ہوئے کیا تمہیں تکلیف ہوتی ہے؟

یکایک چٹھی رساں آیا اور تارا کانت کے ہات میں ایک خط دیگیا۔ تارا کانت نے پڑھنا شروع کیا۔

کاشی یوگ آشرم
۴ر جولائی ۱۸۶۱ء

تارا کانت!

سات دن کی متواتر کوشش کے بعد کاشی آیا ہوں سوچا تھا یہاں آتے ہی وشو کو دیکھنے جاؤنگا مگر جانا نہیں ہوا۔ میں غیر مکمل ہوں میرے جسم کا آدھا حصہ نہیں ایک آنکھ سے دیکھنے میں کیا فائدہ؟ ایک آنکھ سے پریمی مستقل دیکھنے کا ضرور خواہشمند ہوں۔ وشیشور کیا یہ میری امید پوری کریں گے۔ یہاں ایک مدد مہاشے بڑے رحمدل شخص ہیں اگر وہ مہربانی کر کے کاغذ قلم دوات نہ دیتے۔ تو مجھ خط بھی نہ لکھ سکتا۔ ان سات دنوں میں جن ملکوں سے تھا۔ شہر گاؤں جنگل۔ غرض۔ جہاں جہاں پھرا ہوں۔ وہاں کہیں بھی امدومتی کا پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ مجھ پر احسان کرکے کہیں چھپ رہی ہے۔ نہیں۔ میں غلط کہہ گیا امدومتی نے مجھ پر احسان نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ میں نے کبھی اپنے اوپر امدومتی کو احسان کرتے نہیں دیکھا میری آنکھیں نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اُسے نہیں دیکھ پایا۔ میری آنکھوں میں کیا نقص ہو گیا ہے۔ نہیں سمجھ سکتا اگر تمہیں معلوم ہو تو لکھنا

آتے ہوئے ایک خط لکھ آیا تھا۔ امید ہے تمہیں مل گیا ہوگا اس خط میں میں نے

اپنے دلی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت بھی بہت کچھ لکھنے کو طبیعت چاہتی ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تم یقیناً آنسو بہاؤ گی۔ اور میں تمہیں دکھی نہیں دیکھنا چاہتا۔

بدنصیب ——— نریندر

مگر ہاں [illegible] میرے ماں باپ کی خدمت کرنا۔ نہیں تو میرے ایک بھائی جو پاس ایک شخص [illegible] نہیں ہو جاتے اس دنیا میں ماں باپ بیٹے کے لئے مجسم [illegible]

تارا [illegible] خط کو دو تین بار پڑھا۔ اور ایک گہرا سانس لیا۔ پھر خط لکھنے بیٹھی لکھا۔

آنند پور

۱۵ر جنوری [illegible]ء

[illegible] جی!

تمہارا خط [illegible] پہلا خط بھی پایا تھا۔ تمہاری عدم موجودگی سے ہم سب دکھی ہیں۔ تم نے ہم لوگوں کو کسقدر تنہا کر دیا ہے۔ اس کا اظہار اس خط میں کیونکر کر سکوں گا۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا دل اس وقت بہت مغموم [illegible] تم اندو متی کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ اس کی جدائی میں تم دکھی ہو [illegible] مگر [illegible] کہ تم اسقدر مغموم رہو [illegible] کے بیچ میں اب دیر نہیں ہے۔ دکھ کے بعد ہی سکھ ہے۔ پرارتھنا کرتی ہوں [illegible] تمہاری آرزو پوری کر دے [illegible] بات ہے۔ تم نے وشیشور کے درشن [illegible] یہ اچھا نہیں کیا۔ جب [illegible] اسقدر [illegible] ہے۔ پھر ان کے درشن نہ کرنا یہ کیسی غلطی ہے۔ تم نے ایک پھول کی دو پنکھڑیاں آپس میں ملی ہوئی اکثر دیکھی ہونگی۔ جیسے وہ علیحدہ رہتے ہوئے بھی آپس میں ملی رہتی ہیں۔ اسی طرح تمہارا اور اندو متی کا تعلق ہے [illegible] اس دنیا کا ہی نہیں۔ بلکہ اگلے جنموں کا ہے۔ کوئی ایک دوسرے کو [illegible] اسے یقینی سمجھنا۔

اسی لئے کہتی ہوں [illegible] وشیشور کے درشن کرو۔ تمہاری آرزو پوری

ہو گی محبت لافانی شے ہے۔ دُنیا میں اس سے زیادہ قیمتی اور خوبصورت کوئی شے نہیں ہے۔ اس لئے اندومتی کے بغیر اور کوئی شخص تمہاری آنکھوں کا مرض دُور نہیں کرسکتا۔ تمہارے لئے تمہارے ماں باپ کلپ رہے ہیں۔ جیتے جی اُن کی حالت مُردوں سے بدتر ہے۔ اُن کے دل کو تکلیف پہنچانا کیا مناسب ہے؟

کچھ روپیہ بھیجوں کیا؟ پاس کچھ رہنا بہت ضروری ہے۔ سفر میں کتنی ہی مصیبتیں آتی ہیں کچھ تکلیف نہ ہونے پائے۔ اس بات کا بہت خیال رکھنا۔ رائے صاحب نے تمہاری اور اندومتی کی تلاش کرنے کے لئے جابجا آدمی بھیجے ہیں۔ میں تمہاری جُدائی سے بہت دکھی ہوں۔ ہمیشہ اپنی خیریت اور مزاج کا حال لکھتے رہنا۔ یہ نہ بھولنا۔

تمہارا — تاراکانت

تاراکانت نے خط ختم کرکے فوراً ہی ڈاک خانہ میں بھجوا دیا۔ اور رائے صاحب کے گھر میں خط کا مضمون بتا کر کاشی کی راہ لی۔ خط میں کاشی کی روانگی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا کیونکہ شاید یہ خبر سُن کر نریندر ناتھ وہاں سے اور کہیں چل دیں۔

وقت مقررہ پر خط کا جواب پہنچا۔ خط پاکر نریندر ناتھ کسی قدر متفکر ہوئے۔ اس کے بعد جواب میں لکھا "روپیہ وغیرہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اندھا ہی ارتھ کی جڑ ہے۔ میں ماں باپ کی ناخلف اولاد ہوں۔ اُن کی خدمت نہیں کرسکا۔ اُنھیں سکھی نہیں بنا سکا۔ تم ہی کوشش کرنا۔ میرے پاس اب خط نہ بھیجنا۔ کیونکہ میں جلد ہی مقام چھوڑ دوں گا۔

یہ خط لکھ کر ڈاک خانہ میں چھوڑ آئے۔ چٹھی رساں تاراکانت کو نہ پاکر وہ خط رائے صاحب کے گھر دے آیا۔ خط پاکر رائے صاحب بڑی فکر میں پڑ گئے۔

تیسواں باب ۲۳

دیوانہ میں!

اندومتی چلی گئی تھی۔ اگر کسی کی ہستی تھی۔ تو وہ صرف غم والم کی۔ — کایا پلٹ گئی تھی صرف چھایا رہ گئی تھی۔ جسم کی موجودگی میں ہی زندگی کا سُکھ اور شانتی ہے۔ تمام رس دار

چندر میں وقت پر سٹر گل کرا دیا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی ہیں۔ مگر حیا یا۔ چِتنا کی گود میں پناہ پاکر بڑھتی رہتی ہے۔ جو نریندر ناتھ کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا۔ آج وہی دیکھنے لگے۔ سوچنے لگے۔ اسوقت اس خیالی اندومتی میں کتنی ہی نئی نئی دلکشی نظر آئی کتنے ہی لطیف خیالات کا فوارہ رواں دواں نظر آیا۔ یہ اندو گویا وہی اندو ہے گویا یہ سورگ کا جلال تھی! کیوں شک وشبہ میں پڑا؟ کیوں اپنے پاؤں میں آپ ہی کلہاڑی ماری؟ میرے کیا نہیں تھا؟ پریم۔ پریت دیا۔ دھرم۔ ہنسی خوشی۔ تسکین تشفی غرض کیا نہیں تھا؟ میری اندو میرے پریم کا پھل تھی۔ محبت کا خوشگفتہ کمل۔ عفت۔ وعصمت کی مجسم تصویر تھی۔ اسے کیوں کلنک لگایا؟ عفت وعصمت کا وہ ستون شاید ٹوٹ گیا۔ کمل شاید خشک ہوگیا؟ آہا۔ اس ستون سے پیار ومحبت کی کیسی خوشنما بیل لپٹی ہوئی تھی۔ اس میں کیسے کیسے دلفریب پھول پھولے تھے۔ ان کی ہنسی کیسی ـــ خوشبو کیسی ـــ اور رنگ کیسا دلآویز تھا؟ میں نرک کا کیڑا ہوں۔ پھول میں زہر دیکھا۔ نازک پھول مرجھا کر گر پڑا۔ اور میں مر رہا ہوں۔

نریندرناتھ نے تارا کانت کو خط لکھتے ہی کاشی چھوڑی۔ کاشی چھوڑ کر جا بجا اندومتی کی تلاش کرنے لگے۔ بغیر کھائے پئے اندومتی کی فکر کرتے کرتے نریندرناتھ کا جسم سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ بھوک پیاس جاتی رہی۔ اگر کسی نے کھانے کو دے دیا۔ تو کھالیا۔ ورنہ یوں ہی رہ گئے۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ اگر کوئی دیکھتا تو پہچان نہ پاتا۔ ہر وقت انھیں یہی ایک فکر رہتی تھی۔ کہ اندومتی کہاں گئی۔ کون اندومتی کی خبر دیگا؟ صرف اسی خیال میں محو ہوکر وہ تمام جپ تپ کر رہے تھے۔ کہاں کے راستے میں پیدل کے وہ ... غرض جہاں دیکھو وہیں بیٹھے بیٹھے نہ معلوم کیا بڑبڑاتے تھے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے۔ جو دیکھتا تھا۔ کہتا تھا۔ کہ پاگل ہے۔ اگر اب بھی نہ چیتے تو جلد ہی ہو جائے گا۔ نریندرناتھ کا دل ہر وقت مغموم اور اداس رہتا تھا۔ طرح طرح کے خیالات آتے تھے ـــ

اسی فکر میں نریندرناتھ جا بجا اندومتی کی تلاش کرتے رہے۔ مگر کہیں کوئی سراغ نہیں ملا برسات کا موسم تھا۔ اساڑھ کے آخری دن تھے۔ صبح سے دوپہر تک لگاتار پانی برستا

رہا۔ اس کے بعد ایسی زور کی دھوپ ہوئی۔ کہ تمام کائنات تپنے لگی۔ راہرو کدمب کے درختوں کے نیچے ٹھہرے تھے۔ ایسی شدید دھوپ میں نریندرناتھ پاگلوں کی طرح دوڑتے بھاگتے ایک شمشان میں پہنچے۔ دیکھا۔ شمشان کا کونا کونا جلی ہوئی استھی کی راکھ سے بھرپور ہے کتنے ہی لاشے نیم سوختہ لکڑی کی طرح آہستہ آہستہ سلگ رہے تھے۔ کہیں کہیں آگ کے شعلوں کی لپٹ سانپ کی زبان کی طرح لپلپاتی ہوئی۔ دھوئیں کا دھواں کا ہیبت ناک لقمہ اٹھا رہی تھی۔ بعض عورتوں کے لاشے۔ اُن کے گھونگر والے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور چوٹی بکھی پھیلی نظر آتی تھی۔ [illegible] پھیلی ہوئی تمام [illegible] کو نوچ رہے تھے اور [illegible] ہی تھی یا چندروز [illegible] گیدڑ [illegible] جیسا [illegible] درخت کی [illegible] یہ بھی [illegible] شمشان کے بیچوں بیچ ایک مردہ کتا پڑا ہے۔ کتے کے جسم میں ناک اور منہ سفید تھی باقی تمام جسم رنگ برنگا۔ جا بجا تلسی کے درخت تھے۔ نریندرناتھ نے تلسی کا درخت دیکھ کر سوچا ماتا تلسی! شمشان میں تمہاری کیا ضرورت ہے؟ انہیں کیا اس دنیا میں اور کہیں جگہ نہیں ملی ماں! مجھے یہاں دیکھ کر کتنا دُکھ ہوتا ہے؟ کتنی ہی دُکھ درد کی باتیں دل میں آتی ہیں۔ وہ اب کیا کہوں؟ اُن خیالات کا شمار نہیں۔ بے شمار ہیں۔ ماں! تجھے شمشان میں دیکھ کر حوصلہ کھو کر دریائے غم میں غرق ہو جاتا ہوں۔ گزشتہ سکھ کی یاد چھپی کی چھپی دل میں بے حد تکلیف پہنچاتی ہے۔ جسم و جان چونک اٹھتے ہیں ماں! پھر تم شمشان میں کیوں؟ سوچتا ہوں تم دنیا کو پیدا کرنے والی ہو۔ ماں اکیا بچوں کے دُکھ کے ساتھ ہی تم بھی آ چھوڑ سکتی ہو؟ اسی وجہ سے خیال ہوتا ہے۔ کہ ماتا بچوں کے کلیان کے لئے اور بچوں کا مکمل جیسا چہرہ دیکھنے کے لئے شمشان میں آکر براجمان ہوئی ہو۔ ماں! شاید یہی وجہ ہے کہ ماتا ہر صبح میں چپکے سے روتی ہو۔ اور چھم چھم آنسو بہاتی ہو۔

ہندوستان کا یہ پُر لطف نظارہ اور کہاں؟

شمشان [illegible] ہو [illegible] دیر [illegible] زور [illegible] سے رہا تھا [illegible] پُر سرور نغمہ کی لے مکمل ہی تھی ساتھ ساتھ ہی درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ بھی عجیب سب نظارہ [illegible] رہی تھی اس صاف شفاف پانی میں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا درخت ڈوبے جا رہے ہیں صرف دو ایک [illegible] کے۔ فرشتے سر اٹھائے ہوئے لہروں کے ساتھ ناچتے

ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کسی کسی کے پتے کشتی کے قدم چوم رہے تھے۔ کہیں کہیں سر بفلک درختوں اور اُن کی شاخوں میں ندی پناہ گزین نظر آ رہی تھی۔ بعض شاخ بریدہ درخت اپنے گذشتہ سُکھ کی یاد میں غمگین دکھائی دیتے تھے۔ یہ سب دیکھتے ہوئے لوگوں کے گروہ ندی کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور گروہ نا کر جا جا کر کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

اُس ندی کے کنارے ہی شمشان کے پاس لڑکے کھیل رہے تھے۔ نریندر ناتھ کو وہاں دیکھ کر لڑکے اپنا کھیل کود چھوڑ کر اُن کے سامنے آ موجود ہوئے۔ اور اُن کے مُنھ کی طرف دیکھنے لگے۔

اُن چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو اپنی طرف تاکتے دیکھ کر نریندر ناتھ نے کہا۔ کیوں! تم لوگ اس انداز سے کیا دیکھ رہے ہو۔

لڑکوں میں جو ذرا سیانا تھا۔ وہ بولا۔ آپ سے ایک بات کہنے آیا ہوں۔

نریندر ناتھ نے پیار سے کہا۔ کیا بات ہے بیٹے۔ کہو؟

لڑکے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اس شمشان میں ایک زبردست بھوت رہتا ہے۔ اس جگہ اگر کوئی دوپہر کو یا رات کو اکیلا آتا ہے۔ تو وہ بھوت اس کی گردن توڑ کر جان لے لیتا ہے۔ شام ہو رہی ہے آپ جلد بھاگ جائیے۔ جلد بھاگئے۔ یہ دیکھو۔ ہم لوگ بھاگ رہے ہیں۔

یہ کہہ کر ان لڑکوں نے دم کے دم میں وہاں سے دوڑ لگانی شروع کی۔ اور جلد اپنے اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ اُس وقت شام ہو چکی تھی۔ نریندر ناتھ جی میں سوچنے لگے۔ بھگوان سب تمہیں دیامے اور پتت پاون کہتے ہیں۔ مگر میں تو تمہاری دیا کا ایک لکشن بھی نہیں دیکھتا۔ آج ان لڑکوں میں جو دیا۔ جو درد۔ اور جو محبت ان بچوں میں دیکھی۔ اُس کا عشر عشیر بھی تم میں نہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ تم دیا کے بھنڈار ہو۔ میں کہتا ہوں۔ تم پتھر سے بڑھ کر سنگدل ہو۔ تمہیں جو دیامے کہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اور بھی سنگدل ہے۔ خیر تمہیں کیوں پکاروں؟ سنگدل کو پکارنے سے کیا فائدہ؟ نہ پکارنے میں ہی سُکھ شانتی ہے۔ تمہاری ہستی کا خیال ہی طرح طرح کے شکوک میں ڈالتا ہے۔ اگر تمہاری موجودگی نہ تسلیم کی جائے۔ تو پھر خوف کیا ہے؟ اسی سے کہتا ہوں۔ کہ تمہیں پکارنے میں اس قدر تکلیف

وقت اور پریشانی ہے۔ مختلف تکالیف برداشت کرکے بھی۔ اگر تم ملنے کو بھی نکلتا۔ مگر شیر پکار پکار
پکارتے۔ جان کھو کر بھی صرف [illegible] کیوں جسم جنا [illegible] تک پکارنے پر بھی دیا نہیں آتی۔ بھلا تا!
ایسے سنگدل کو کون بلائے؟ تب خود وہ ایک بار پکارتا ہے۔ وہ صرف جنم راج کے خوف سے ج
اسقدر خوفناک ہے۔ وہ وشنو کیسے ہوا؟ اُن کا یہ وہ ہمیشہ ہی ہنس مکھ۔ اور اُن کا [illegible] دیا سے
بھرپور ہے۔ ناتھ! میں نے تمہیں اچھی طرح پہچان لیا۔ تم گوتے پر تیر چلانے کے لئے بہت مضبوط
ہو۔ اسی لئے اگر حقیر کا قلع قمع کر دیگے۔ تو تمہیں بڑا کون کہیگا؟

اے دین بندھو! میرے پاپ [illegible] فاقہ کیا [illegible] نہیں ہوا؟ چیونٹی کتنی شریر ہے۔ [illegible]
سے زبردست اور طاقتور انسان بھی [illegible] میں تمہارے نزدیک [illegible] حقیر
ہوں۔ میری یہ عاجزانہ آواز کیا تمہارے [illegible] نہیں پہنچی کیا تم [illegible] مصیبت اور
درد تمہیں دکھائی پاتے۔ کیا تمہار [illegible]
اس کا کیا سبب ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا [illegible] لوگ سمجھو [illegible]

اسی لئے کہتا ہوں کہ تمہارے راج میں [illegible] کا کام نہیں [illegible]
اس میں عقل و تمیز ہونا نہایت ضروری ہے [illegible] و تمیز [illegible]
معلوم ہوتا ہے کہ تم راج کے قابل نہیں [illegible]
رہا ہوں۔ اور بڑا سکھ کرتا ہوں۔ کہ [illegible]

یہ سب سوچتے ہوئے سریہ رنا تھ [illegible]
پچا [illegible] میں جا پڑنے کے خوف سے [illegible] کنارے [illegible]
والوں نے منع کیا۔ مگر انہوں نے کسی [illegible] کی [illegible] چلتے
چلتے یکایک قدم پھسلا زمین کھسکی۔ اور وہ پانی میں جا گرے۔ دیکھنے والوں میں سے
کسی نے سریہ رنا تھ کو پانی میں سے [illegible] کی ہر چند کوشش کی۔ مگر ان کی [illegible]
لہروں کے بہاؤ میں بہتے ہوئے [illegible] کہاں [illegible] کوئی نہیں دیکھ سکا۔

چوبیسواں باب ۲۴

پناہ

اوشا نہایت ہی خوش طبع اور ہنس مکھ لڑکی تھی۔ شنک تارا اُسے بہت پیاری تھی۔ تمام رات قدرت کی دلچسپیوں اور نیرنگیوں کی باتیں سُنکر اسوقت ذرا آنکھ لگ گئی تھی اوشا کو جگانا بہت مشکل تھا۔

شنک تارا کا شوہر نہایت سلیم الطبع اور پاکیزہ صفات شخص تھا اُس کے گھر میں ہر طرح کا سکھ تھا۔ جائداد بھی تھی۔ اُسے سرکار نے نام حراج دتبارش ماتھا۔ اس کی طرح معقول تھی۔ اور رعایا سعت ورما نبردار تھی۔ اس وقت اُس کی آزمایش کا وقت آگیا تھا۔ راجہ نے اسوقت دل میں سوچا کہ ملازمت کرے جو تنخواہ ملتی ہے۔ اسی سے گرہستی چلاؤں گا روز روز راجہ کی باتیں مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتیں۔ ماحکدار راجہ اور قیدی دونوں کی یکساں حیثیت ہے [illegible] سے کہتر طرح ہے کہ پردیس چلے۔ شنک تارا اُن کی طرف مغموم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وقت رخصت آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کتنے آنسوؤں نے پیاسی سوتی زمین کو سیراب کیا۔ اس کا ٹھکانا نہیں۔ [illegible] راجہ صاحب رخصت ہوئے۔ شنک تارا اُنہیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔

دھیرے دھیرے آواز کانوں میں آنے لگی۔ [illegible] آواز [illegible] پکار پکار کر کہنے لگے۔ اوشا [illegible] شنک تارا نے روتے روتے کہا [illegible] لڑکی کہا کہ آج آنکھیں کھلینگی۔ سوچا تھا۔ کہ مجھے [illegible] نگر میں [illegible] سب کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ گرہستی کا کام ہلکا چلیگا۔ کیا کروں؟ اب تک بڑی شوخی ہیں [illegible]

[illegible] شنک تارا [illegible] اوشا کا سہرا [illegible] دیا۔ وہ اودھر [illegible]

تنک تارا کی ایک سوت تھی۔ اُس کا نام کمدنی تھا۔ تنک لال نے اوشا کا بناؤ سنگار کر کے سوت کے پاس بھیجدیا۔ اور خود بھی چلی۔ کمدنی اوشا کا یہ بناؤ سنگار دیکھ کر تیل کے پتنگوں کی طرح جل اٹھی۔ ہائیں! یہ تو شادی کا سنگار ہے کمدنی نے کہا۔ کمبخت! میرے گھر میں تیرے لئے جگہ نہیں تمہارے خاندان پر یوں ہی سورج دیوتا کی نظر ہے۔ یہاں تجھے دیکھ لیں۔۔۔ اوشا گلابی ساڑھی پہنے ہوئے سنجیدگی سے ہنسنے لگی جیسے اُس نے کمدنی کی بات ہی نہیں سُنی۔

کمدنی نے دل ہی دل میں سوچا بڑی سونیوالی لڑکی ہے۔ اس کی شادی بھی کسی ایسے لڑکے کے ساتھ کرنی چاہیئے جو خوب سونیوالا ہو کنبھ کرن کیا مرگیا؟ خیر! کوئی ایسا ہی بر ڈھونڈنا پڑے گا۔ کمدنی اسی فکر میں غوطہ زن تھی۔ ناظرین! آؤ ہم اندومتی اور شیل بالا کو دیکھ آئیں۔ اوشا کی شادی کے موقع پر ہم آپ کو نوید دینگے۔ آئیے اب یہاں نہیں ٹھہرینگے۔

سورج کی شعاعوں کے نکلنے وقت اندومتی نے اپنے تمام جسم میں بھبوت ملی اس خوف سے کہ شاید اُس کا حسن ملیح اُسے کسی بلا میں نہ پھنسا دے۔ مگر بھبوت رمانے سے کیا ہوگا۔ اندومتی کے حسن ملیح کی منور شعاعیں خوبصورت رتن پر تھرکتی ہوئی کرنوں کی طرح بھبوت کو چمکدار بناتی ہوئی نور کا نظارہ دکھانے لگی۔ یہ سب دیکھ کر شیل بالا نے ہنستے ہنستے کہا۔ سکھی! کیا کرتی ہے! سونے کے جسم کو مٹی سے ڈھکتی ہے۔ اندومتی نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔

شیل بالا اندومتی کی گھبراہٹ سمجھ گئی۔ اُس نے کوئی بات نہیں کہی۔ صرف دل ہی دل میں یہی سوچا کہ اگر موقع ملا۔ تو ایک دن یہ تمام باتیں کہکر خوب ہنسونگی اور ہنساؤنگی۔ جب اندومتی بھبوت لگا چکی اُسوقت دونوں نے راستہ اختیار کیا۔ شام تک مستعدی سے چلتی رہیں۔ راستہ میں جو اندومتی نے دیکھا وہی کیا۔ ٹھیک شام کو وہ ایک گاؤں میں پہنچی۔ گاؤں بہت چھوٹا تھا۔ آبادی معمولی تھی۔ اگرچہ آبادی زیادہ نہیں تھی۔ تاہم گاؤں بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ قدرتی دلکشی اور دلاویزیوں کی وجہ سے موسم بسنت کا

ایک دلکش مرقع نظر آتا تھا۔ دونوں گاؤں میں پہنچکر گھر گھر کے پھیرے لگانے لگیں مگر کہیں بھی ٹھہرنے کی جگہ نہ ملی۔ تمام دن کی مسافت کے بعد ٹھہرنے کی بھی جگہ نہ دیکھکر اندومتی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ تکان سے چور چور ہو گئی۔ مگر زبان سے کوئی بات نہیں نکالی۔ دل کی تکلیف دل ہی میں رہ گئی۔ شیل بالا اندومتی کی گھبراہٹ اور دکھ سمجھ گئی۔ اُن کی آنکھیں بھی آبگوں ہو گئیں۔ اپنے دکھ سے نہیں۔ بلکہ اندومتی کا حال زار دیکھ کر۔

رات کا وقت تھا تھر ماوش بجے تھے۔ چاند آہستہ آہستہ ایسی منور روشنی تحتہ بام پر پھیلا رہا تھا۔ اُسوقت اندومتی و شیل بالا گھر گھر گھوم پھر رہی تھیں۔ مارے مایوسی اُمید سے مبدل ہوئی۔ گھومتے پھرتے ایک چھوٹے سے مکان میں پہنچیں۔ اس مکان میں دو کھنڈر تھے پہلے بھی اُس میں بود وایک کمرے تھے۔ اُس وقت اُن کی بھی حالت خستہ تھی۔ مکان کے چاروں طرف [illegible] آم [illegible] پیل۔ کھجور، تال، سپاری اور جامن وغیرہ کے درخت تھے اس مکان میں دو عورتیں رہتی تھیں ایک ضعیفہ تھی اور دوسری شیل بالا کی ہم عمر تھی نام — مادھوری — مادھوری کا حسن نہایت دلربا اور دلفریب تھا۔ ضعیفہ مادھوری کی ساس تھی۔ اور باہر کے برآمدہ میں بیٹھی ہوئی پان کھا رہی تھی۔ دانت نہ ہونے کی وجہ سے وہ پان نہیں چبا سکتی تھی۔ اُس نے پان کوٹتے کوٹتے کہا — مادھوری، مادھوری! کھا چکی؟

رسوئی خانہ سے مادھوری نے جواب دیا یہ کھانے بیٹھی ہوں۔ تم سو رہو"

بڑھیا کو کھلا کر مادھوری خود کھانے بیٹھی تھی۔

بڑھیا نے پھر کہا۔ تو اکیلے گھاٹ پر جا سکیگی۔

مادھوری نے منہ میں لقمہ ڈالتے ڈالتے کہا [illegible] [illegible]

گھاٹ مکان کے پاس ہی تھا۔

بڑھیا اسوقت سونے کے لئے چلی۔ اُسوقت شیل بالا نے کہا۔ ہم دو عورتیں ہیں آپکے گھر میں کیا ٹھہر سکتی ہیں؟

بڑھیا سر نیچا کئے ہوئے گھر کے اندر جا رہی تھی۔ شیل بالا کی بات سنکر اُس کی طرف دیکھکر

بولی: "یہاں جگہ نہیں کسی دوسرے گھر میں جاؤ"
یہ کہکر وہ مکان کے اندر چلی گئی
بڑھیا کی بات سنکر اندومتی و شیل بالا واپس چلیں۔ اتنے میں پیچھے سے مادھوری نے کہا: "جاؤ نہیں۔ جاؤ نہیں۔ بیٹھو"
اندومتی اور شیل بالا کو گویا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آگئی۔ واپس نہ ہوسکیں گھر میں تھوڑا بہت جو کچھ کھانا تھا۔ وہ چھوڑکر جلدی سے ہاتھ منہ دھوکر مادھوری اندومتی کے پاس آکر بولی: بہن! تم لوگوں کا گھر کہاں ہے؟
شیل بالا۔ گوکل پور کے پاس!
نندپور کے پاس ہی گوکل پور گاؤں تھا۔ [illegible] گاؤں کا [illegible] پوشیدہ رکھا۔ مادھوری کو یقین آگیا۔ بولی: اس گاؤں [illegible] کبھی [illegible] آئی ہو؟
شیل بالا کیا جواب دیتی؟ سوچ کر [illegible] [illegible] [illegible] "جی نہیں [illegible]"
مادھوری بہت متعجب ہوئی۔ بولی [illegible] [illegible] [illegible] بھیک [illegible] [illegible] اور اسی سے تمہاری گذر بسر ہوتی ہے؟
شیل بالا۔ ملتی کیوں نہیں [illegible] کبھی [illegible]
دل ہی دل میں بولی: "ہمارے گاؤں [illegible] [illegible] اگر کوئی خبر نہیں ملی۔ تو وہ پاگل ہے"
اندومتی نے ایک گہرا سانس لیا۔ بولی [illegible] تھوڑے دن ہوئے ہم دونوں بھکارنی ہوئی ہیں۔
مادھوری نے اس وقت اندومتی کے گلے میں اپنی دونوں باہیں ڈال دیں۔ کیوں؟ ایسا کیا کہہ نہ سکی۔ معلوم ہوتا ہے۔ اندومتی کی باتوں سے اسے چوٹ لگی تھی اسی وجہ سے مادھوری نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا تھا۔ تو [illegible] چلو۔ وہ بھی تمہارا گھر ہے۔ بہن! میں بھی بھیک مانگ کر گذر کرتی ہوں۔ [illegible] [illegible] تمہیں کیا کھانے کو دوں۔ جب بھیک مانگ کر جو پایا تھا۔ اس سے [illegible] [illegible] گھر میں اسوقت ایک مٹھی چاول بھی نہیں۔
یہ کہکر اندومتی کا ہاتھ پکڑ کر مادھوری گھر کے [illegible] لے گئی۔ اندومتی نے دیکھا۔ **مادھوری**

کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں۔ اس کی دردرس نگاہ دیکھ کر اندومتی موہت ہو گئی۔ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ ایک دن نرمدر کے پیارے پیارے منھ سے سُنا تھا۔ زہر میں زہر، پانی میں پانی اور آگ میں آگ ملتی ہے۔ یہ لامحدود سکھ ہے۔ اور لامحدود شانتی ہے۔" اُس نے ان باتوں کا پورا پورا ثبوت پا لیا۔ - - - سوچنے لگی۔ آج مادھوری کی اور میری ایک ہی حالت ہے۔ اسی وجہ سے مادھوری کی آنکھیں اس قدر آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ خواہش ہوئی۔ کہ اس کے قدموں میں اپنا سر رکھ دے۔ ایسا رتن پاکر کون اپنے آپ کو نہیں نیوچھاور کر دیتا۔ اندو استو جب اپنے آپ کو نثار کر دیتا ہے۔ تو ہم تم کون ہیں؟

مادھوری اندومتی اور سشیل مالا دونوں کو گھر کے اندر لے گئی اور بٹھایا۔ اندومتی چراغ کی روشنی میں مادھوری کا حسن دل فروز دیکھ کر یہ سوچنے لگی۔ مادھوری کی ساخت کتنی سڈول ہے کیسی بے مثل ملاحت ہے۔ گویا پورنماشی کا چاند ہے۔ جسم میں جیسی بے مثل ملاحت ہے۔ باتوں میں بھی ویسی ہی شیرینی ہے۔ محبت کے تہد کا جھنڈا ہی ہے ظاہر ہوتی ہیں۔ ہم دونوں کہاں تک ہوس کھائیں گی۔ تم تو گھرا ہو۔

مادھوری کے آنے میں دیر ہوتے دیکھ کر بڑھیا بار بار پکار رہی تھی۔ مادھوری فوراً اُس کے پاس گئی اور کان میں نہ معلوم کیا کہا؟ معلوم ہوتا ہے۔ اندومتی کے ٹھہرنے کے لئے بستر و سامان کر کے پھر اندومتی کے پاس آ گئی۔

اندومتی و سشیل مالا دونوں نہانے کے لئے گھاٹ پر آئیں۔ تمام دن انہیں نہانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

پچیسواں باب ۲۵

مادھوری سشیل و اندو کو گھاٹ پر چھوڑ کر گاؤں کے اندر گھسی رات تقریباً ڈیڑھ پہر گذر چکی تھی۔ چاند کی روشنی پُر لطف بہار دکھا رہی تھی۔ صفحۂ کائنات نور کی صاف شفاف چادر بچھی ہوئی تھی۔ راستہ میں کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ مادھوری بجوں سے چلنے لگی۔ ہر چہار طرف ایک عجیب و غریب دلکشی کا سماں چھایا ہوا تھا۔ دو بڑے بڑے سر بفلک برگد

ناریل، سوپودار، نیم اور ببُول وغیرہ کے درخت تھے۔ بعض بعض درختوں کے پتّوں کی سرسراہٹ سے نہایت ہی دلکش نغمہ کے سُر نکل رہے تھے۔ بعض بعض درختوں پر پرندوں کے جھنڈ جھنڈ کے متفقہ آواز سے بول رہے تھے۔ مادھوری تقریباً آدھ کوس فاصلہ طے کر کے ایک مکان میں داخل ہوئی۔ اور پکارا۔ ماں! ماں! میں مادھوری ہوں۔ اٹھو! اٹھو!! اٹھو!!! ماں سنو!

مادھوری کی آواز سنکر اُس گھر کی مالکہ اُٹھیں۔ وہ مادھوری کو لڑکی کی طرح پیار کرتی تھیں کیونکہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ مادھوری بھی مالکہ کی ماں کی طرح عزت کرتی تھی۔ مالکہ نے کہا۔ کیوں مادھوری! اتنی رات تک کہاں تھی؟ بیٹی! تو کیا ڈرتی نہیں؟

مادھوری نے حوصلہ آمیز لہجہ میں کہا۔ ماں! خوف کی کیا بات ہے؟

مالکہ نے متعجب ہو کر کہا۔ مادھوری! کہتی کیا ہے۔ خوف نہیں۔ اگر خوف نہ بھی ہو تو کیا اتنی رات کو کوئی آتا ہے؟

مادھوری نے لجاجت آمیز لہجہ میں کہا۔ ماں! ضرورت تھی۔ اسی وجہ سے آئی۔

مالکہ:۔ بیٹی! کل آتی۔ تو کیا حرج تھا؟

مادھوری:۔ خاص ضرورت"——

مالکہ کے دل میں ماں کی مامتا جوش زن ہوئی۔ بولیں بیٹی! ایسی کیا ضرورت درپیش ہوئی؟ مادھوری نے کہا:۔ ماں! دو رشتہ دار آ گئے ہیں۔ وہ کیا کھائینگے؟ کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ بھیک مانگ کر جو لائی تھی۔ وہ دوودقت میں ختم ہو گیا۔ گھر میں ایک مٹھی چاول بھی نہیں۔ ماں! اب کیا کروں؟

یہ کہتے کہتے آنسوؤں نکلا ہوں سے مالکہ کی طرف دیکھنے لگی مالکہ نے ہنسکر کہا۔ اری پگلی! اس کے لئے فکر کیا! ٹھہر! چاول دال دیتی ہوں۔

دم کے دم میں مالکہ تقریباً پانچ سیر چاول اور سیر بھر دال لے آئیں۔ مالکہ مادھوری کی کسی قسم کی کمزوری کا احساس کرتے ہی اس پر پانی پھیرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ بھیک مانگنے کے متعلق بھی اُنہوں نے بارہا کہا تھا۔ مگر مادھوری کی شرم کی وجہ سے روز روز مالکہ کے پاس مانگنے نہیں آتی تھی۔

دال چاول لے کر مادھوری الٹے پاؤں گھر واپس آئی۔ گھر آکر دیکھا۔ کہ اندومتی و شیل بالا گھاٹ پر بیٹھی نہا رہی ہیں۔ اور آپس میں بیٹھی ہوئی نہ معلوم کیا کیا باتیں کر رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر مادھوری جلد جلد کھانا پکانے میں مصروف ہوئی۔ اندو اور شیل بالا کو ذرا پتہ نہ لگا۔ گھاٹ سے آکر انہوں نے مادھوری کو پکارا۔ مادھوری نے رسوئیں خانہ سے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ بہن! تم گھر میں بیٹھو میں کھانا پکا رہی ہوں۔

مادھوری کا دل دریائے مسرت میں غوطہ زن تھا۔ مادھوری کیوں پھولی نہیں سماتی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے؟ اتنی تکلیف اور مصیبت پر بھی مادھوری کی خوشیوں کی انتہا میں گویا آج اس کی تمام کھوئی ہوئی طاقتیں از سر نو آگئیں تھیں۔ شیل بالا نے کہا۔ بہن! ہم لوگ کچھ نہیں کھائینگی۔

مادھوری نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ بہن! کیوں نہ کھاؤ گی۔ میں چاول دال لے آئی ہوں ضرور ہی کھانا پڑیگا۔

شیل بالا نے ذرا مسکرا کر کہا۔ ہم نہ کہتی تھیں کیا یقین نہ آتا۔ کہ چاول دال نہیں تھا۔

مادھوری شرمندہ ہو گئی۔ اور سادگی سے بولی بہن! اسوقت لائی ہوں۔

شیل - کہاں پایا؟

مادھوری - بہن یہ سنکر تم کیا کرو گی؟

اسوقت مادھوری چولھے میں ایک لکڑی لگا کر اندومتی کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک بیٹھنے کے بعد اندومتی کا ہاتھ پکڑ کر رسوئیں خانہ میں لے گئی۔ بعد ازاں بولی۔ بہن! تمہیں بہت بھوک لگی ہے۔ اب دیر نہیں ہے۔

مادھوری نے چولھے میں پھر لکڑی لگا دی۔ چاول پکنے لگے اندومتی نے کہا "نہیں مجھے بھوک نہیں لگی۔

مادھوری: - نہیں کیوں بہن منہ تو خشک نظر آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے۔ شرم کی وجہ سے تو کچھ نہیں کہتی۔

اندو - شرم کیا؟ سچ مچ مجھے بھوک نہیں۔

فی الحقیقت اندُومتی کا دِل درد و غم کی آگ سے جل رہا تھا۔ یہ اتنی بڑی مصیبت تھی۔ جو اُس نے کبھی نہیں اُٹھائی تھی۔ اِس دُکھ کی وجہ سے اُسے بہت بھُوک پیاس نہیں ستاتی تھی۔ جو ہو۔ کھانا تیار ہُوا۔ سب نے کھانا کھایا۔ کھاپی کر سونے چلیں۔ مادھوری نے اندُومتی سے کہا۔ بہن! میں نے تمہیں پایا؟"

اندُومتی مُسکرائی۔ بولی:۔ "ہاں پایا"

"تمہیں پایا"

اندُومتی اور بھی ہنسکر بولی:۔ "پایا"

مادھوری کے عضو عضو میں مسرّت کی لہریں اُٹھ رہی تھیں:۔ بولی:۔ "تو تمہیں پایا"

اندُو:۔ "پایا"

اندُومتی کی بات سُنکر مادھوری نے پیار سے اُس کی ٹھوڑی پکڑ لی۔ اور دونوں گلے مِل کر سو رہیں۔

عورتوں میں محبت بآسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

چھبیسواں باب (۲۶)

داستانِ محبت!

اندُومتی و مادھوری تنہائی میں بیٹھی ہُوئی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے آپس میں بات چیت کر رہی تھیں۔ اندُومتی نے مادھوری سے نہایت ہی محبّت آمیز لہجہ میں کہا۔ بہن! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔

مادھوری نے ہنسکر کہا۔ بہن! کہو کیا بات ہے؟

اندُو:۔ جو بات پوچھونگی۔ صاف صاف بتادوگی نہ؟

مادھوری:۔ بتادُونگی۔

اندُو:۔ کوئی بات چھپاؤگی تو نہیں؟

مادھوری:۔ نہیں!

اندو:۔ سچ!

مادھوری:۔ سچ!

اندو:۔ تم رور رات کو رویا کیوں کرتی ہو؟

مادھوری رات کو **اندومتی** کے قریب ہی سوتی تھی اور لیٹے لیٹے چپ چاپ آنسو بہایا کرتی تھی۔ اندومتی نے کئی دنوں تک متواتر اسکا رونا سنا۔ اور سوچا تھا کہ مادھوری سے اس رونے کا سبب پوچھوں گی۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ مادھوری اپنے دلی خیالات کا اظہار نہ کرے اس خیال سے وہ اتنے دنوں تک نہیں دریافت کر سکی۔ اب مادھوری کو اکیلا پاکر اُس سے پوچھا۔ اندومتی کی یہ بات سُنکر بادلوں سے گھرے ہوئے چاند کی طرح مادھوری کا چہرہ ملین ہوگیا۔ تحیرانہ انداز سے بولی۔ کچھ نہیں۔ بہن!

اندومتی۔ ۔ چھی مجھ سے چھپائی ہے۔

مادھوری شرمائی۔ کچھ سوچ کر بولی۔ بہن! میں بہت دکھی ہوں۔ میرے دکھو کا حد حساب نہیں

اندومتی:۔ دنگ رہ گئی دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ دنیا میں کیا مجھ سے بھی کوئی زیادہ دکھی ہے؟ بظاہر بولی:۔ کیوں بہن؟

مادھوری نے پر اضطراب لہجے میں کہا:۔ شوہر سے علیٰحدہ عورت کو سکھ کیا ہے؟

اندومتی نے گھبراہٹ آمیز لہجہ میں پوچھا۔ کیوں؟ کیا تمہارا شوہر نہیں ہے؟

مادھوری نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور موسم برسات کے بادلوں کی طرح آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:۔ نہیں۔"

اندو:۔ پھر تمہیں دکھ کیا ہے"

مادھوری نے غمگین لہجہ میں کہا:۔ کیا دکھ ہے؟ کہتے ہوئے سینہ شق ہوا جاتا ہے۔

اندومتی نے دیکھا۔ مادھوری کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے ہیں۔ بولی:۔ بہن! تمہارے دکھ درد کی کہانی کیا نہ سُن سکونگی۔ میں کیا تمہاری کوئی نہیں ہوں؟ مادھوری کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو گرنے لگے۔ جیسے زرد گلاب پر شبنم کی بوندیں پڑتی ہیں۔ اور وہ ایک خاص رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح مادھوری کے گالوں کا رنگ نظر آیا۔ مادھوری نے اتنے

دنوں تک ایسی محبّت بھری آواز نہیں سُنی تھی۔ دل اندر ہی اندر مچلنے لگا۔ آہستہ آہستہ بولی — میرے بڑے آدر کی چیز تھی۔ مگر ہائے! اگرچہ بُری صحبت میں پڑ کر اُنہوں نے میری جانب سے آنکھ بند کر لی تھی تاہم وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ کیوں پیاری تھی؟ نہیں کہہ سکتی۔ وہ جب اِدھر اُدھر سے گھوم پھر کر آتے تھے۔ تو اُن کی نظریں میری طرف ہی رہتی تھیں۔ میں اُن سحر کار نگاہوں کی تاب نہ لا کر بیخود ہو جاتی تھی۔ اُن کی وہ محبّت سے لبریز نگاہیں دل کے اندرونی حصّوں میں داخل ہو کر آنندوں اور اُمنگوں کی دُھوم مچا دیتی تھیں۔ اور دل میں فرطِ مسرّت سے ایک پُر لطف گدگدی کا سا احساس ہوتا تھا۔ دل کی چیز چھوٹ پڑتی تھی۔ صرف چیز ہی کیوں؟ تمام بدن میں جیسے بجلی کی سی لہر دوڑ جاتی تھی۔ اُن کی بات چیت میں ایسی دلدوز طاقت مضمر تھی کہ سنکر دل میں ایک ہلچل سی مچ جاتی تھی۔ پریم کی کشتی پریم کے اتھاہ ساگر میں ہی غوطے کھاتی تھی۔ مگر میرے وہ سُکھ کے دن جاتے رہے۔ اسوقت اب میری کال راتری ہے۔ دُکھ کی شعلہ زن آگ میں تمام جسم جل رہا ہے۔ انھوں نے جی بھر کر اچھی طرح مجھے وہ پیارا پیارا اصلی آب نکھرا نہ دیکھنے دیا۔ ابھاگنی کو مصیبت کے سمندر میں چھوڑ کر لوک لاج کے خوف سے نہ معلوم کہاں چلے گئے۔ کہ انھیں پھیر نہ دیکھ سکی۔ مجھے چھوڑنے کے بعد اُنہوں نے سوچا۔ اس زندگی کا خاتمہ ہی کر دینا مناسب ہے۔ زندگی کا سُکھ کیا ہے؟ لاتعداد دُکھوں سے یہ زندگی بھرپور ہے۔ جہاں حرص و ہوس کا انسان اسقدر دلدادہ ہو وہاں سُکھ کہاں! حرص۔ ہوس سے قطع تعلق ہی سُکھ ہے۔ میں اسی حرص و ہوس کی آگ میں پڑ کر یکبارگی ہی خاک سیاہ ہو گئی۔ شوہر کا سُکھ دیکھکر اور بھی اُس کی بہار لوٹنے کی لالچ میں پڑی۔ مثل مشہور ہے "آدھی چھوڑ ساری کو دھاوے۔ ایسا ڈوبے تھاہ نہ پاوے" — میں اسوقت تباہی میں ہوں۔ زبردست تباہی میں —"

اُسی دن — اُسی وقت — اُس تباہ کُن گھڑی میں ناقابلِ برداشت آگ کی جلن نہ سہہ سکنے پر مرنے گئی تھی۔ مگر جاتے وقت سوچا۔ کیوں مروں گی؟ دریا کے پانی میں جوار بھاٹا آنے سے کیا پھر وہ کام کا نہیں رہتا؟ یہ قدرتی قانون ہے۔ اس وقت اگرچہ جوار بھاٹے کا دور ہے پھر بھی وہ دن آسکتا ہے۔ کہ دریا کا پانی صاف شفاف ہو کر سکون پذیر ہوگا۔ بہن! موت کیسی اتنی تھی

زندگی کی آس رہتی ہے۔ انسان کا دل نہایت ہی چنچل ہے حالت بدلتے کیا دیر لگتی ہے ؟ ابھی دلفریب دشوموسنی اُمیند کا مُنہ دیکھ کر اس زندگی کو رکھ چھوڑا۔ زندگی کو رکھا مگر اس کا سُکھ نہ رہ سکی۔ شانتی نہیں سُکھ نہیں جسم و جان کو جلاتی ہوئی آگ دھُو دھُو کا نغمہ الاپ رہی ہے ہائے! یہ آگ کیا کبھی نہ بجھیگی ؟

اسی وقت اندومتی نہ معلوم کیا کہنا چاہتی تھی۔ مگر مادھوری اندومتی کے ان پاتوتی لبوں پر ہاتھ دھر کر بولی :- سُنا تھا انسان مرنے کے بعد آسمان کا تارا ہوتا ہے۔ ایک دن اسی عقیدہ کے زیر اثر آکر مرنے گئی تھی مگر کیا مر سکی ؟ اس پر مجھے یقین نہیں آیا۔ اگر مر کر بھی تمنا پوری نہ ہوئی۔ تب تو انہیں نہیں دیکھ سکونگی۔ مرنے کے لئے گئی۔ اور پھر گھر لوٹ آئی۔ اور بستر پر لیٹ کر گھنٹوں روتی رہی۔ روتے روتے دل کی جلن کسیقدر کم ہوئی۔ دل میں خیال آیا۔ اس طرح مُوں شانتی کے لئے کہیں باہر کیوں جاتی ہوں! وہ تو گھر میں ہی ہے۔ جب سے رونے دل کی جلن میں کسیقدر کمی واقع ہوئی تو خود کشی کر کے خاندان میں داغ کیوں لگاؤں اور سُنا تھا موت کی بہت مرنے سے انسان کا دل ہو کر ادھر اُدھر گھومتا رہتا ہے۔ عرصہ تک جھر جھر روتا رہتا ہے۔ بجلی کی چھُری سے سینہ چاک کر کے اُس کی تمام آواز اپنے اندر بھر لیتا ہے۔ بہن! اس دن اُس کنج تنہائی میں بیٹھی ہوئی آنسو بہا رہی تھی۔ روتے روتے کس طرح جانے دکھ۔ دقیق ہوا ایسا احساس ہوا۔ کہ دکھ نہایت سُکھ کی تہ ہے آج کتنے دنوں بعد تمہیں پا کر گویا میری نئی زندگی ہوئی ہے اب سب کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے بہن! اگر تم اس دن یہاں سے چلی جاتیں۔ تو شاید میں نہ بچتی۔ میں بھی ایک دن متمول تھی۔ میرے بھی باغ تھے اور عالیشان مکانات تھے۔ مگر اُن کی بے پروائی اور بُری صحبت میں پڑ کے سب کچھ جاتا رہا اب وہ سب دوسروں کی ملکیت میں ہے۔ اگر سب کچھ دینے پر بھی اُنہیں ابھی لگا ہوں کے روبرو رکھ سکتی۔ تو میرے سُکھ کی حد نہ رہتی۔ دولت لے کر کیا کرتی؟ آدمی سلامت رہے۔ دولت خود بخود آ جاتی ہے۔ جس کی دولت تھی۔ اگر وہی نہیں رکھ سکا۔ تو کون رکھیگا۔

یہ کہتے کہتے مادھوری بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اندومتی نے شیل کے ایک دن اور ٹھہر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر مادھوری نے کسی طرح

قبول نہیں کیا اندومتی مادھوری کو بہت پیار کرنے لگی تھی ـــ فرطِ محبت نے اُس کی زبان پر قفلِ سکوت لگا دیا تھا۔ دل ہی دل میں وہ مادھوری کی بہت تعریف کرتی تھی۔ بظاہر تسلی آمیز لہجہ میں بولی۔ بہن اروتی کیوں ہو۔ رونے سے کیا فائدہ؟

مادھوری خاموش ہو گئی۔ مگر آنسو رُخسار سے ہوتے ہوئے سینہ تر بتر کر رہے تھے۔ آنسو کسی کی بات نہیں سُنتے۔ خود ہی آتے ہیں۔ خود ہی گرتے ہیں۔ اور خود بخود بند ہو جاتے

اندومتی نے اپنے آنچل سے مادھوری کے آنسو پونچھے بعد ازاں بولی۔ تمہارے شوہر کے کہنے وِن نہیں چھوڑ رکھا ہے۔

مادھوری کے کلیجہ میں جیسے چھُری اُتر گئی۔ مایوسانہ انداز سے بولی۔ تقریباً ـــ چھ برس!

اندو:۔ اس چھ برس کے عرصہ میں کوئی خبر نہیں ملی؟

مادھوری :۔ نہیں!

اندو:۔ اُن کے پیچھے کوئی آدمی بھیجا تھا؟

مادھوری نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ کتنے ہی آدمی تلاش کرنے کے لئے ادھر ادھر بھیجے مگر کہیں کوئی پتہ نہ چلا۔ ہائے اُن کا چہرہ کیسا پیارا پیارا تھا! کیسی متوالی اور رسیلی آنکھیں تھیں!!! باتیں کیسی میٹھی میٹھی اور تسکین بخش تھیں!!! جی چاہتا ہے کہیں ملیں۔ تو ایک بار جی بھر کر دیکھ لوں۔ یہ کہتے کہتے مادھوری نے قدم بڑھائے

اندومتی نے خوف زدہ ہو کر مادھوری کو پکڑ لیا۔ بولی۔ مادھوری! تو کیا پاگل ہو گئی ہے!

مادھوری شرما گئی۔ اُس کے چہرے پر ندامت کے آثار نمودار ہوئے۔

ستائیسواں باب ۲۷

نیا جوگی

ایک دن مادھوری دہلیز میں بیٹھی ہوئی تھی اندومتی شیل بالا پڑوس کی چند خورد سال اور نوعمر لڑکیاں آپس میں ہنسی دل لگی کر رہی تھیں پڑوس کی عورتیں مادھوری سے ملنے آئی تھیں اُن عورتوں میں سے کسی نے کہا۔ میرے لڑکے کیسا تھا ـــ ام نگر کے مندر میں ایک نیا جوگی آیا ہے

نسبت بات چیت طے ہوئی تھی مگر لڑکی کا سمجھاؤ اچھا نہیں یہ سنکر انہوں نے (شوہر سے مراد) انکار
کر دیا۔ کسی نے کہا۔ میرا لڑکا بی۔ اے پاس ہے۔ کتنے ہی آدمی میرے گھر آتے ہیں۔ اور لوٹ جاتے
ہیں۔ میں ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ منہ پھلائے چپ چاپ بیٹھی رہتی ہوں۔ جو نقد دس ہزار۔
ڈھائی سو کی گھڑی چین۔ اور پانچ سو کی انگوٹھی دیکر جہیز دیگا۔ اسی کے ہاں شادی کرونگی۔ کسی
عورت نے آزردگی سے کہا۔ بھائی مجھے تو کھڑی جیبن دینے پر بھی اچھا لڑکا نہیں ملتا۔ کسی نے
کہا۔ ایسا مارک زمانہ آیا ہے کہ عزت بچنی محال ہے۔ تھوڑے دنوں میں پرتھوی رسائل کو پہنچ
جائے گی۔

پڑوس کی عورتیں آپس میں اسی قسم کی بات چیت کر رہی تھیں۔ عین اسی وقت ایک جوگی وہاں
آگیا۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگیں دیکھا۔ کہ جوگی نہایت ہی خوبصورت ہے۔ وجیہہ قد چھریرا
بدن۔ بلند پیشانی بڑی بڑی شراب معرفت سے سرشار آنکھیں لمبی لمبی جٹائیں۔ فراخ سینہ
گلے میں رُدراکش کی مالا پڑی تھی۔ باقی جسم پر شیر کی کھال تھی تمام بدن میں بھبھوت ملی ہوئی
تھی بال سب سول سا۔ جوگی کو دیکھ کر سب کھڑی ہوگئیں۔ کئی ادھیڑ عورتوں نے نمسکار
کیا۔ دھوری جلدی سے دوڑ کر ایک کُش کا آسن لے آئی۔ جوگی کو بیٹھنے کے لئے دیا۔ اور نہایت ہی
خلوص محبت وعقیدت سے جوگی کے چرنوں میں پرنام کیا۔ جوگی نے دھوری کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور
خود آسن پر بیٹھ گئے۔

اسوقت تمام عورتیں جوگی کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔ ذرا بھی نہ جھجکیں۔ ایک ادھیڑ عورت نے پوچھا
مہاراج میرا لڑکا جلد ہی واپس آئیگا یا کیا؟ اس عورت کی دیکھا دیکھی کالی تارا نے کہا۔
مہاراج! میری لڑکی کو یرقان ہوگیا ہے؟ کیسے اچھی ہوگی؟ ترنگنی نے پوچھا۔ مہاراج! میری
بڑی بہن کے کیا ہوگا؟" سُرما نے پوچھا مہاراج میرے دیور کیا جلد گھر آئینگے؟ سُرما کے پاس
خط آیا تھا۔ کہ اس کا شوہر اور دیور دونوں کمساعت جلد ہی مکان روانہ ہوں گے معلوم
ہوتا ہے۔ سُرما نے سترما کو دیور کے بہانے شوہر کے آنے کی بابت پوچھنا چاہا تھا۔ ماتانگنی
نے سوال کیا میرے لڑکے کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی۔ ستیا ما نے دریافت کیا۔ میری دیدی
کے لڑکا نہیں ہوتا کوئی دوا دے سکتے ہو؟ دوا کی بات سُنکر بھامنی۔ دامنی۔ کامنی۔ راس منی

راج منی۔ رام منی۔ کرشن موہنی۔ بلاسنی۔ موبھاشنی۔ سوہاسنی۔ اُما سندری۔ رما سندری۔ دنو دنی۔ مرنالنی۔ من مالنی۔ وغیرہ تمام عورتیں ایک ایک کرکے کوئی لڑکا ہونے کے لئے۔ کوئی بہن کے لئے۔ کوئی شوہر کو بس میں کرنے کے لئے دوا مانگنے لگیں۔ جوگی نے اب تک کسی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جواب دینے کا موقع بھی نہیں تھا۔ کیونکہ لگاتار سوال کرتی جا رہی تھیں۔ گویا وہ بازار میں پہنچ گئی تھیں۔ کون کیا کہتی ہے؟ جوگی یہ بھی نہ جان سکا۔

جوگی کو خاموش دیکھ کر عورتیں بھی خاموش ہو گئیں۔ شیل بالا نے موقع دیکھ کر پوچھا۔ مہاراج! گنت جانتے ہیں؟

جوگی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ہاں! جانتے ہیں۔ کچھ پوچھو گی کیا؟

شیل بالا کی بات کا جواب دیتے دیکھ کر عورتوں میں پھر شور مچ گیا۔ سب شیل بالا کے ذریعہ اپنی اپنی بات پوچھنے کے لئے بیتاب نظر آنے لگیں۔ کسی نے آنچل پکڑا۔ کسی نے ہاتھ۔ اور کسی نے جوڑا پکڑ کر ہلانا شروع کیا۔ شیل بالا بڑی مصیبت میں پڑی۔ یہ سب دیکھ کر جوگی جی دل ہی دل میں ہنس رہے تھے۔ بہت دیر بعد شیل بالا نے سب کو صبر و تسلی دیکر کسی طرح شور و غل بند کیا۔ بعد ازاں جوگی کا امتحان لینے کے لئے مادھوری کو دکھا کر کہا۔ مہاراج! اس کا نام کیا ہے؟

جیسے پھول کھلتا ہے۔ اسی طرح جوگی نے شگفتگی کا دکھا کر کہا۔ "مادھوری"

شیل بالا متحیر ہو گئی۔ مگر مادھوری جوگی کی شگفتہ ہنسی دیکھ کر ان کے چہرے کی طرف آرزو مندانہ نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ معلوم ہوتا ہے۔ شیل بالا نے یہ ہنسی نہیں دیکھی۔ جوگی کی ہنسی دیکھ کر وہ دل میں کیا سوچتی؟ ایسے ایشور جانیں۔

جوگی نے پھر کہا۔ مادھوری کی ساس مر گئی ہے۔ تقریباً ایک مہینہ ہوا۔

فی الحقیقت مادھوری کی ساس کو مرے ہوئے ایک مہینہ ہوا تھا۔ جوگی کی بات سنکر تمام عورتیں متحیر ہو گئیں۔ سچی بات سنکر ان کا عقیدہ پختہ ہو گیا۔ اسوقت عورتیں آپس میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگیں۔ شیل بالا نے پھر کہا۔ مہاراج مادھوری کا شوہر زندہ ہے کیا؟

شیل بالا نا مادھوری کے تمام حالات اندو منی کی زبانی سنے تھے۔ جوگی نے کچھ دیر بعد

متانت آمیز لہجہ میں کہا۔" زندہ ہے؟"

مادھوری اُسوقت یکسوئی سے جوگی کی بات سُن رہی تھی اور نہایت غور سے اُن کا مُنہ دیکھ رہی تھی۔ جوگی کو دیکھتے دیکھتے اُس کی حالت نہ معلوم کیسی ہونے لگی اُدھر شیل بالا نے پھر پُوچھا۔ مادھوری کا شوہر کیا اپ دلیس کی طرف نہیں آئے گا؟"

جوگی سنبھل گیا۔ یکا یک اُس نے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اُن کی نگاہیں زمین کی طرف جھکیں چہرے پر فکر کے آثار نمودار ہوئے۔ کہا۔ نہیں!"

مادھوری دھوپ سے مرجھائے ہوئے پھول کی طرح سر نیچا کئے جوگی کی بات سُنکر اور بھی پژمردہ ہو گئی۔ اُس نے پھر بھی کوئی سوال نہیں کیا۔ اور نہ کچھ بولی صرف شیل بالا نے ہی غمگین لہجہ میں پُوچھا" کیوں مہاراج؟"

جوگی نے مایوسانہ انداز سے کہا" یہ کیسے کہہ سکتا ہُوں؟"

مادھوری اُسوقت وہاں سے چلی گئی۔

شیل بالا نے پھر کہا" مادھوری کی قسمت میں کیا سُکھ نہیں ہے؟"

جوگی نے آہستہ سے کہا۔ انسان دُکھ سُکھ کی بات نہیں بتا سکتا۔ اِس جگہ ہم لوگ بالکل اندھے ہیں۔ اگر قسمت میں سُکھ ہوگا۔ تو ملیگا!

شیل بالا نے مسکرا کر کہا۔ سُنا تھا جوگی سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ بھی تو مہا یوگی ہیں۔ پھر کیوں نہیں بتاتے؟

جوگی نے ایک لمبا سانس لیا۔ بولا سکھ دُکھ تبدیلی پذیر ہیں۔ اور اس کا انحصار پچھلے کرموں پر ہے۔ کوئی عرصہ دراز تک سُکھ اُٹھاتا ہے۔ بعض بعض ایسی ہستیاں ہیں۔ جنکا پیمانہ مسرت نہایت چھوٹا اور چھچھلا ہوتا ہے ایسا چھوٹا کہ آنکھوں میں سُرخی آنے سے پیشتر ہی جام خالی ہو جاتا ہے۔

یہ کہہ کر جوگی اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور کسی عورت کی بات کا جواب نہیں دیا [illegible] جوگی کی نندیا ہونے لگی۔

—✦—

اٹھائیسواں باب ۲۸

تالاب کے کنارے!

آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ تمام آسمان پر ستارے نہیں کھلے تھے۔ صرف چند تارے ہلکے ہلکے بادلوں سے ڈھکے ہوئے چاند کی ہیتائی پر نظر آ رہے تھے۔ چاند چوروں کی طرح پانی برسانے والے بادلوں کے مکان میں نقب زنی کر رہا تھا۔ باہر آنے کے بعد ہر طرف نظر دوڑا لیتا۔ بادل بھی بہت ہوشیار ہوتے ہیں کہ اُس کو اپنی گود میں چھپائے سو رہے تھے۔ چاند بادلوں کے مکان میں چوری کر کے فرار ہونے کا راستہ ڈھونڈنے لگا۔

ایک تالاب کے پاس بڑے بڑے سر بفلک درخت تھے جن میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی شاخوں کے پتوں پر چاند کی روشنی چھن چھن کر تالاب کے پانی میں دلفریب رقص کا نظارہ پیش کر رہی تھی۔ درختوں کے پتے نقرئی کرنوں سے جگمگا رہے تھے۔ پتے معلوم ہوتے تھے ہوا مستی سے جھوم رہی تھی۔ تالاب کے اندر کمد نی کنول اور کوکا بیلی کثرت تھی۔ بعض بعض کلیاں اپنا منہ بند کئے ہوئے مسکرا رہی تھیں بعض آہستہ آہستہ شگفتگی کا ارادہ کر رہی تھیں۔ بعض ہنس رہے تھے۔ ہوا کے جھونکے پانی کو لہرا رہے تھے۔ اور نوشاہ ... عکس کبھی کبھی متانت اور سنجیدگی سے ایک نہایت ہی پُرلطف ساحرانہ نظارہ کا ... رہا تھا۔

تالاب کے پار درخت کے نیچے بیکسی و بے بسی سے ایک نازنین سو رہی تھی۔ چاند کی تھر کتی ... پر پڑ کر نازنین کے چہرے پر گلکاریاں کر رہی ہے۔ اور اُس کا خوش حسن دوبالا کر رہی تھیں۔ ایک تو اُس کا چہرہ یوں ہی رشک قمر تھا۔ اُس پر چاند کی کرن! گویا سونے میں سہاگے کا مثل ہو گیا۔ چاند میں کلنک ہے۔ مگر اس نازنین کا مکھڑا کلنک سے پاک تھا۔ لمبی گھیری ... اور وہ گہری نیند میں چور تھی۔ گو ... آثار پہلے تھے تاہم اُس کا حسن ... ہی دلا دیتا اور دلکش نظر آتا تھا۔ حسن اور ... کا ... تھا۔

اس پُرفضا رات میں اُسی درخت کے پاس ایک شخص جا رہا تھا۔ چاندنی رات ہونے کی وجہ سے وہ سفر کر رہا تھا۔ مگر تکان سے چُور چُور ہو رہا تھا۔ اور کسی گہری فکر میں غوطہ زن نظر آ رہا تھا۔ پاؤں میں جیسے طاقت ہی نہ تھی ـــــ چلتے چلتے یکایک اُس کی نظر درخت کے نیچے محوِ خواب عورت کی جانب گئی۔ وہ وہیں جاکر کھڑا ہو گیا۔ دیکھا۔ ایک نہایت ہی خوبصورت اور لطیف پھول مٹی میں پڑا ہے۔ نیلگوں آسمان کے اندر جیسے سفید بادلوں کے ٹکڑے نہایت دلفریب نظر آتے ہیں۔ اُسی طرح اُس نازنین کا حسنِ ملیح نہایت دلکش نظر آ رہا تھا۔

نوجوان اُسوقت آہستہ آہستہ عورت کے قریب گیا اور دریدہ نگاہوں سے دیکھنے لگا دیکھتے ہی چونک اُٹھا یہ کیا؟ یہ تو وہی عرصہ دراز کا جانا پہچانا چہرہ ہے۔ صرف جانا پہچانا ہی نہیں ـــ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سوتے جاگتے کی تصویر! ـــ سُشیل بالا ـــ تو ایسی رات میں یہاں کہاں؟ ـــ اس سنسان جنگل میں درخت کے نیچے کیوں سو رہی ہے؟ نوجوان بیٹھ گیا اُس کا سر آہستہ آہستہ اپنے زانو پر رکھا۔ اور بکھری ہوئی پریشان لٹیں سنوارنے لگا۔ یکایک عورت چیخ اُٹھی۔ نوجوان نے فوراً اُس کا سر زمین پر رکھ دیا۔ مگر خیالات میں جو ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اُس سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نازنین پھر چلا اُٹھی نوجوان نے سوچا۔ عورت کسی تکلیف میں ہے۔ وہ خود بھی گھبرا گیا تھا۔ ایک بار خواہش ہوئی۔ عورت کا نام لے کر پکارے۔ مگر شرم نے اسوقت زبان پر قفلِ سکوت لگا دیا۔ وہ زیادہ دیر تک اُس پھول کو اس طرح فرشِ خاک پر پڑا ہوا نہ دیکھ سکا۔ جوں جوں عورت اپنے جذبات و دکھ کا اظہار کرنے لگی۔ توں توں نوجوان بے چین ہوتا گیا ـــ بول اٹھا ـــ سُشیل ۔ ۔ ۔

اس سے زیادہ اُس کے مُنہ سے بات نہیں نکلی۔ یہ اُسے پہلا موقع تھا عورت پھر کراہنے لگی نوجوان نے اُس کے مُنہ کے پاس اپنا مُنہ لیجا کر کہا "سُشیل ـ او سُشیل ـــ" اس مرتبہ بھی وہ اور کچھ نہیں کہہ سکا۔ اگرچہ وہ زیادہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ تاہم اس آواز سے عورت نے آنکھیں ملنی شروع کیں۔ دیکھا تاراکانت سامنے ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ "سُشیل" کہہ کر پھر درد میں اُسوقت اُمید اور خوشی کی تجلّی رونما ہوئی۔ پھر دیکھا۔ اس مرتبہ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ اُن نگاہوں میں جذبات کا سمندر تھا۔ دونوں کا دل دھڑکنے لگا۔ مگر کسی نے کسی

طرح اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ شیل بالا پیاس سے بے چین ہو رہی تھی۔ درد انگیز لہجہ میں بولی "جان جاتی ہے ــــ پانی"

تارا کانت جلدی جلدی دوڑ کر تالاب سے چلّو میں پانی لائے۔ اور آہستہ آہستہ شیل بالا کے منھ میں پانی ڈالنے لگے۔ اس وقت کسی قدر طبیعت سنبھلی۔ رفتہ رفتہ اس کی طبیعت ٹھکانے ہوئی۔ اس وقت تارا کانت نے بیتابانہ انداز سے پوچھا "شیل! یہاں؟"

رنج وغم میں ڈوبی ہوئی شیل بالا نے کہا "اندومتی کی تلاش میں آئی ہوں"

تارا کانت نے حیرت انگیز لہجہ میں کہا "اندومتی کیا تمہارے ساتھ نہیں؟ وہ کہاں ہے؟" اس وقت شیل بالا نے مختصر طور پر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ ہم دونوں جس گھر میں تھیں۔ آج کئی دن ہوئے اس گھر کی ما دھوری کہیں چلی گئی۔ اس دن اسے ڈھونڈنے کیلئے گاؤں گئی تھی۔ واپس آکر دیکھا گھر میں اندومتی بھی نہیں ہے۔ سوچا کہ شاید پاس ہی کسی گھر میں ما دھوری کی تلاش میں گئی ہو۔ ابھی تھوڑی دیر میں آجائیگی۔ مگر اندومتی نہ لوٹی۔ گاؤں واپس آنے میں مجھے کچھ رات ہو گئی۔ آج چار پانچ دنوں سے برابر تلاش کر رہی ہوں۔ کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اندومتی کا حسن دیکھ کر ممکن ہے۔ کوئی نرپشاچ اسے لیگیا۔

یہ کہہ کر شیل بالا رونے لگی۔ تارا کانت بھی شیل بالا کی بات سنکر اندومتی کے لئے دُکھی اور متفکر ہوئے۔ سمجھ گئے۔ کہ اندومتی کی تلاش میں ہی شیل بالا کو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اور یہ بات بھی سچی تھی۔ تارا کانت نے ما دھوری کے متعلق پوچھنا چاہا مگر شیل بالا نے کہا پھر بتاؤں گی۔

تارا کانت نے کچھ نہیں کہا۔ شیل بالا کو ساتھ لے کر اپنے رہنے کی جگہ چلے گئے۔

انتیسواں باب ۲۹

ایثار محبت

سردی تو جا!! جا!!! بسنت آئے یا نہ آئے۔ اپنی آمد کی خبر دے یا نہ دے۔ کوئل کو کے یا د کو کے۔ دنیا ہنسے یا نہ ہنسے درختوں میں نئے پتے آئیں یا نہ آئیں جلتی پھول کھلیں

بادل کھلیں، اس وقت بھی سردی کا عکس گویا ہر شخص کے چہرے پر اپنا اقتدار جمائے ہوئے تھا۔

بیساکھ کا مہینہ تھا۔ پہلا پکش تھا۔ اللہ نامی گاؤں کا راستہ ایک سر لعلگو برگد کے درخت کے نیچے سے ہو کر تھا۔ ایک دن دو پہر کے وقت راستہ چلتے چلتے ایک جوگی اور ایک نازنین دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جوگی کے پیچھے پیچھے وہ نازنین تھی۔ مگر جوگی بھول کر بھی اس نازنین کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اس نے کہا "اب بھی گھر لوٹ جاؤ!"

نازنین :- "اب گھر نہیں جاؤں گی"

جوگی :- نہیں جاؤ گی ۔ کیوں؟

نازنین :- جانے کی جگہ کہاں؟

جوگی :- جس گھر میں تھی؟

نازنین نے پُر اضطراب لہجہ میں کہا :- وہ گھر چھوڑ کر آپ کا ساتھ دیا ہے۔

جوگی :- میرا ساتھ کیوں کیا؟ میرے ساتھ کہاں جاؤ گی؟

نازنین :- جہاں آپ جائیں گے؟

جوگی نے ٹکٹکی لگا کر تحیر آمیز انداز سے کہا۔ ہائیں! اتنا تو سہی! کیا میرے ساتھ جائے گی میں جوگی ہوں۔ تم عورت ہو۔ تمہارا جوبن جوانی کا زمانہ ہے۔ جاتی ہو۔ اس عالم میں گھر سے نکلنا نامناسب ہے۔

نازنین جوگی کی بات سُن کر ضبط نہ کر سکی۔ آنسو بھی نہ رکے۔ بولی "بہت دن ہوئے یہ جوبن آپ کے پاک چرنوں میں ارپن کر دیا۔ اسوقت دیا کر کے قبول کیجئے!"

نازنین کی آنکھوں سے جھرنے کے پانی کی طرح آنسو بہنے لگے۔

جوگی :- "اچھی! اچھی! یہ کیا بات"

نازنین :- "دل کی بات! — شوہر و بیوی کی بات!"

جوگی نے جھجک کر کہا "میں تمہارا کون ہوں۔ بغیر جانے سمجھے کیوں دوسرے کے پاؤں میں اپنی جان دیتی ہو؟"

نازنین نے ایک گہرا سانس لے کر کہا: "یہ کیا۔ تم گرہست کی بہو ہو۔ تمہارا شوہر ہے۔ پھر بھی مجھے کیوں شوہر کی نظروں سے دیکھتی ہو؟ اس کیلئے تمہارے "سنسری دھرم" میں کلنک لگ گیا یعنی ورتا دعصمت پرست) عورت کے لئے دوسرے مرد پر نگاہ ڈالنا بھی پاپ ہے۔

یہ بات سُنکر نازنین کا کلیجہ جیسے شق ہونے لگا۔ دردبھرے لہجہ میں کہا۔ دوسرا مرد میرے لئے پتھر سے بھی حقیر ہے۔ تمہارے چرنوں کی دھول سے آج میرا عورت کا جنم سپھل ہو گا۔

جوگی نے نفرت آمیز لہجہ میں کہا: "نہ تم کلنکنی ہو!"

جوگی نے یہ بات صرف عورت کے امتحان کی خاطر کہی تھی۔ مگر جوگی کی بات سُنکر نازنین کے سر جیسے آسمان پھٹ پڑا۔ طاقت گفتار سلب ہو گئی۔ سر چکرانے لگا۔ چاروں طرف مایوسانہ نگاہوں سے دیکھ کر گر پڑی۔ غش آ گیا۔ اس بڑکے درخت کی جڑ سے سر میں بڑی چوٹ آئی۔ خون نکلنے لگا۔ درخت کی جڑ میں چھپا ہوا ایک زبردست اژدہا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ڈس لیا۔ اور خود جنگل میں چھپ گیا۔ زہر کے اثر اور گرمی سے جان کنی کا عالم طاری ہوا۔ تڑپنے لگی کراہنے کی آواز سُنکر جوگی نے نازنین کی طرف دیکھا۔ اور بیتابانہ انداز سے کہا۔ "مادھوری! یہ کیا؟"

مادھوری نے جوگی کے چہرہ کی طرف ایک بار پیاسی نگاہوں سے دیکھا — اور بولی۔

"ہوں! کچھ نہیں۔ سر چکرا رہا ہے۔ اسی وجہ سے سونا چاہتی ہوں۔"

مگر جوگی کو اس بات کا یقین نہ آیا۔ جلدی سے آکر اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ اور ٹکٹکی لگا کر مادھوری کی طرف دیکھنے لگا۔ دیکھا۔ مادھوری کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ اور تمام جسم کا رنگ سیاہ پڑتا جا رہا ہے۔ جوگی کا استقلال جاتا رہا۔ مادھوری! پیاری مادھوری!! بتا ایسا کیوں کر رہی ہے؟

مادھوری خاموش تھی۔ مگر آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔ رہ رہ کر جوگی کے چہرے پر ایسی دردمند نگاہیں ڈالنے لگی۔

یہ جوگی مادھوری کا شوہر تھا۔ پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔ کہ مادھوری کا شوہر بری صحبت میں پڑکر موروثی جائداد کا خاتمہ کر کے دیس تیاگ گیا تھا۔ اتنے دنوں تک کہاں رہا؟ کسی کو نہیں معلوم۔ ہم نے اسدن چھ برس بعد مادھوری کے گاؤں میں اُسے جوگی کے بھیس

میں دیکھا تھا۔ مادھوری نے بھی شوہر کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ اُس نے سوچا تھا کہ شوہر کو لے کر پھر گرہستی کا سُکھ بھوگوں گی۔ مگر جوگی کی بات سُنکر ــــ جوگی کی عدم توجہی دیکھ کر اندوشیل بالا کو باتیں کرتے چھوڑ کر راستہ میں کھڑی ہو گئی تھی۔ سوچا اگر سوامی گھر میں نہ رہینگے تو میں دُنیا میں رہ کر کیا کروں گی؟ شوہر کے ساتھ ساتھ ہی جاؤں گی۔ مادھوری کا شوہر دُنیا کی موہ مایا چھوڑ کر یوگ ابھیاس کر رہا تھا۔ صرف گورو کے حکم سے ایک بار مادھوری کو دیکھنے کی غرض سے آیا تھا۔ وہ دُنیا کو چھوڑ چکا تھا۔ اسی وجہ سے اندوشیل بالا کے رُوبرو عدم توجہی کا اظہار کیا تھا۔ جب جوگی چلا جا رہا تھا۔ اُسوقت مادھوری بھی پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

مادھوری اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر سوچنے لگی۔ "جم! آ گئے۔ اچھا کیا۔ اتنے دنوں بعد اس اُبھاگنی پر تمہاری نظر پڑی یہی بہت کچھ ہے۔ تم میرے قدرتی خیر خواہ ہو موقع مناسب پر آئے بڑا احسان کیا۔ جب آئے ہی ہو تو ایک کام اور کرنا ــــ میں مرتی ہوں۔ میں اپنے شوہر کے قدموں میں پڑی ہوں۔ یہاں سے اور کہیں نہیں لیجانا۔ جم! تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ اُبھاگنی کا یہ عرض رکھنا۔ میں نے بہت دنوں بعد یہ ناک حیرن پائے! کچھ دیر تک مجھے اپنا سر رکھنے دو۔ اور طراوت حاصل کرنے دو۔ میرے جسم میں زبردست آگ مشتعل ہے۔

اُسوقت مادھوری کی سانس کی رفتار تیز پڑ گئی جسم آہستہ آہستہ شل ہونے لگا۔ آنکھیں پتھرانے لگیں۔ جوگی نے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ مادھوری! کیا آخر ــــ"

جوگی کا جوگ ٹوٹ گیا۔ آنکھوں سے جمنا کی دھار رواں ہوئی۔ مادھوری سوامی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رونے لگی۔ اُسوقت اُس کا گلا رندھ گیا تھا۔ صرف ٹکٹکی لگائے جوگی کو دیکھنے لگی۔ مادھوری نے پھنسے ہوئے گلے سے بڑی مشکل سے کہا۔ ناتھ جانے کا وقت آ گیا۔ اور نہیں ٹھہر سکتی۔

مادھوری اور کچھ نہیں کہہ سکی۔ جوگی کی طرف دیکھتے ہوئے اُس کے زانو پر سر رکھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے سو گئی۔



ناتھ! جاتی ہوں — آخری وقت آگیا ۔ زیادہ نہیں ٹھیر سکتی ۔

تیسواں باب ۳۰

مایا کا روگ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اسی مرض سے کیا پاپ پیدا ہوتا ہے؟ اسی مرض میں گرفتار ہو کر سب دن رات روتے چلاتے رہتے ہیں۔ طرح طرح کے دُکھ بھوگتے ہیں شانتی نہیں سکھ نہیں۔ ہوتی نہیں صرف غم و الم خوفناک جال سے گھیرے رہتے ہیں۔ جب نہ تب ہمیشہ مصیبت کے بادل آسمانِ دل پر منڈلایا کرتے ہیں۔ اسی فکر تشویش میں تمام عمر گذر جاتی ہے۔ اندومتی کی شادی کے پہلے سوچا تھا۔ اب کوئی جنجال باقی نہیں رہیگا بغیر کسی قسم کی رُکاوٹ اور رخنہ اندازی کے پرمارتھ کی کمائی کروں گا مگر ہائے وہ امیدوں کا خیالی قلعہ مسمار ہو گیا۔ دُنیا کا بے مصروف مایا کا بندھن شکست نہ ہوا۔ راکشسی مایا نے میرے سکھ کے راستہ میں کانٹا بچھا دیا۔ وہ پیارا پیارا مکھڑا دیکھنے کی خاطر اب بھی دل بے چین ہو رہا ہے۔ کسی طرح اِن آنکھوں کو وہ پیاری شکل نہیں دکھائی دیتی۔ دل اب بھی بیتاب ہے تُف! کیسے مایا جال میں پھنس گیا۔ مایا کا مُنہ دیکھنے میں نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ مگر انجام نہایت ہی دردناک ہے۔ پہلے کیا خبر تھی۔ کہ وہ مکھڑا دیکھ کر اس طرح دام ہوس میں پھنس جاؤں گا۔

بہرے تیں بیت گئے۔ چوتھا پن آیا۔ امروز فردا ہی میں جم کا دوت آ کر ہتھکڑی لگائیگا۔ کال کی ہتھکڑیاں نہایت ہی سنگین ہیں۔ ہائے! اسوقت بھی میری نیند نہیں ٹوٹی اسوقت بھی میں مایا کی شکنج میں خوبصورت پھل دیکھ کر از خود رفتہ ہو رہا ہوں۔ یہ پھل مجھے کیا فائدہ دیگا۔ دن بدن اپنی جڑ میں آپ ہی کلہاڑی مار رہا ہوں۔ ہائے! ہائے! پھر وہی خیالات دل میں آنے شروع ہوئے۔ اندو — شیل تم کہاں ہو جان جاتی ہے — تمہیں نہ دیکھنے سے میری جان جاتی ہے — لوک پرلوک دونوں جاتے ہیں۔ ماں[1]۔ دونوں کل چلے جائینگے تب کہاں کھڑا ہوں گا۔ اندو شیل! آؤ تم میری ایک کل کی رکھشا کرو۔ آؤ۔ اس بدنصیب کی خستہ حالت دیکھ جاؤ۔ نہیں آؤ گی؟ نہیں سنو گی، بات بھی نہیں کرو گی؟ میں نے تمہارا

[1] بنگالی اپنی بیٹیوں کو پیار سے "ماں" کہتے ہیں

کیا بگاڑا تھا بیٹی اندومتی کا قصور ہے؟ جاتے وقت مجھ سے کیوں نہ کہہ گئی؟ اگر کہتی۔ تو میں بھی تیرا ساتھ دیتا۔ تمہارے دکھ سے مجھے بھی دکھ ہے۔ شیل! تم ذی فہم تھی۔ تم نے کیوں ایسا کیا؟ تمہیں مناسب تھا۔ کہ اس بدبخت کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی ہائے اس وقت تم کہاں ہو؟ یہ بدنصیب درخت کی جڑ پر بیٹھا ہوا کس قدر دکھ و پریشانیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھو گی۔ ماں ہو کر بچے کا دکھ کا احساس تمہیں نہیں ہوتا؟

پاپ کتنا خوفناک ہے! آفات و مصائب کا خوفناک سمندر ——— پاپ کی چالیں اگاتی ہیں۔ یرتول! تو نے کیوں اندومتی کے سکھ کے راستے میں اپنا سر پھوڑا؟ انہوں نے تیرے نزدیک کیا قصور کیا تھا؟ میری اندو۔ سادگی کی مجسم تصویر تھی۔ دھرم کی بیٹی۔۔ اس دھرم کی دیوی کا تو نے کیوں قلع قمع کیا۔ اس سے کیا تیرا بھلا ہوا۔ بھگوان ضرور آکرینگے لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کے لیا ہوگا۔ پر سورگ کی آنکھوں میں بھی دھول ڈال سکے گا۔ ہائے! اس جنگ و جدل میں کیوں نہ آگیا۔ اگر مر جاتا۔ تو یہ دکھ کون بھوگ کرتا۔ مالک تو دیوتا تھے۔ سورگ گئے۔ اس پاپی کو آخری وقت میں کیا اسی لئے چھوڑ گئے تھے۔ اف! بہت ہو چکا ——— اب نہیں برداشت کر سکتا۔ رام بھدر ایک سر بفلک درخت کی جڑ پہ بیٹھا ہوا اسی غور و فکر میں غوطے کھا رہا تھا۔

جس دن اندومتی و شیل بالا نے گھر چھوڑا تھا۔ اسی دن رام بھدر بھی ان کی تلاش میں باہر نکل گیا تھا۔ مختلف گاؤں اور ملکوں کا چکر لگاتا رہا۔ مگر کہیں بھی اندومتی کا پتہ نہ چلا۔ اسی وجہ سے مایوس ہو کر درخت کے نیچے بیٹھا ہوا افکار و آلام کے بحر بیکراں میں غوطہ زن تھا

اکتیسواں باب (۳۱)

ندی کی گود میں

آسمان کی نیلگوں بساط پر ستارے جڑے کھیل رہے تھے۔ چاند ان کے درمیان فانوس کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اس نور سے منور ہو کر تمام دنیا جلوہ [illegible] رہی تھی۔ ندی کا پانی صاف شفاف باطن کی طرح جسم حقیقت سے سرشار بہہ رہا تھا۔ معطر و معنبر ہوائیں

کے جھکولوں سے ندی کا پانی جھوم رہا تھا۔ چاند کی تجلی ریز شعاعیں۔ اس صاف شفاف پانی میں ایک دلفریب رقص کا نظارہ دکھا رہی تھیں۔ سرور اور وجد میں آکر ندی جیسے مستی سے بہی جا رہی تھی

ندی کے کنارے ایک چھوٹی سی کشتی کھونٹے سے بندھی تھی۔ ملاح وغیرہ کشتی باندھ کر اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق کنارے آگئے تھے۔ کشتی پر صرف دو مسافر تھے۔ ایک نوجوان اور ایک خوبصورت لڑکی نوجوان ملاحوں کے آنے میں دیر ہوتے دیکھ کر کشتی کی چھت پر چڑھ گیا۔ دیکھا رات تمام زیورات سے ملبوس ہے۔ دنیا میں جیسے آج ہی آنند بھرا ہوا تھا۔ ندی کا پانی لہریں لے رہا تھا یہ دیکھ کر نوجوان کے دل میں سرور و انبساط کا جوار آگیا۔ آہستہ آہستہ کشتی کھول دی۔ نوجوان کو کسی قدر منجدھار رانی میں بھی دخل تھا وہ چھوٹی سی کشتی ہوا کے ساتھ تیز جھکولوں سے ٹکراتی ہوئی دلفریب رقص کا نظارہ دکھانے لگی کشتی کو پانی کی روانی پر چھوڑ کر نوجوان خود کشتی کی چھت پر بیٹھ گیا۔ پانی میں چھوٹے چھوٹے حباب اُٹھ رہے تھے۔ کشتی میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ چاند کی پُر فضا کرنیں۔ اسی راستے سے کسی کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ چاند کتنا اسی وجہ سے بہت خوش تھا۔ سکھی جگانے کے لئے کتنی ہی کوششیں کیں۔ اور کیسی ہی منت و سماجت کی۔ مگر وہ نہ بیدار ہوئی چاند نے ایک مرتبہ سکھی کے بالوں میں الجھ کر اُسے جگانا چاہا کان کے ذریعہ دل تک پہنچ گیا۔ پکارا۔ سکھی نہیں جاگی۔ چاند ہار گیا سکھی نے بازی جیت لی۔

نوجوان نیچے آیا۔ چاند کو یہ حرکات دیکھی ٹکٹکی لگا کر اس سراپا نور کو دیکھنے لگا۔ چھت پر جانا بھول گیا۔ اُس کے دل پر نہ معلوم کیا خیال آیا۔ بکس کھول کر بانسری نکالی اور چھت پر آگیا بیٹھ کر سوچنے لگا۔ وہی جمنا ہے اور وہی بنسی جمنا کی پھر وہی دلاویز ہا ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔ کہ بنسی کی دلدوز آواز سُن کر جمنا کی لہریں تموج میں آجاتی ہیں اُس بنسی میں ایسا کیا وصف تھا۔ کہ جمنا پھر پھر کر دیکھتی تھی۔

یہ سوچ کر نوجوان نے بانسری کو چوم اپنا سوئی تحریر سے بچھی لی نہ سمائی۔ تھوڑی دیر تک بانسری کی دلدوز لے تمام عالم پر اپنا تسلط جمالیا درختوں کے پتے تال دے دیکر ناچتے ہوئے نظر آنے

لگے۔ ہوا مستی سے جھومنے لگی۔ بڑی پُر فضا رات تھی۔
اتنے میں یکایک شیل بالا آگئی۔ اور بولی۔ چھی چھی! تم بڑے بیدرد ہو۔ میری نیند میں کیوں مخل ہوئے۔

نوجوان:- قصور کیا۔ سزا دو۔
نوجوان **تارا کانت** تھا۔

اُس تالاب کے کنارے یکے واقع کے دونوں **اندومتی** کو تلاش کر رہے تھے۔ گاؤں کے گاؤں چھان مارے مگر اُن کی مراد نہ بر آئی۔ سخت تکان اور متواتر جانفشانیوں کی وجہ سے یکایک **تارا کانت** کو ایک دن زور کا بخار آگیا۔ وہ اور نہ چل سکے۔ مجبور ہو کر اُنہوں نے اس گاؤں میں قیام کیا۔ جہاں کشتی کھڑی ہوئی تھی **شیل بالا** کی تیمارداری اور خدمتوں سے دو تین دن میں ہی انہیں صحت حاصل ہو گئی۔ وہ کشتی پر سوار ہو کر **اندومتی** کی تلاش کر رہے تھے۔ جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اسی طرح لگے دونوں کی کوششوں کے بعد **تارا کانت** **شیل بالا** کا دل محبت کی بیل کی طرح ایک دوسرے سے چمٹ گیا۔

شیل بالا نے **تارا کانت** کے ہاتھ سے بانسری لے لی اور کہا۔ یہ دیکھو تمہیں ایسا سانپ بتادیا ہے جس کی منی نہیں۔

تارا کانت ہنس کر بولے۔ پارس منی نے آج میری بنسی کو ہاتھ لگا۔ بانس کی بنسی سونے کی بنسی ہو گئی۔

شیل بالا:- ایک بار سونے کو کسوٹی پر رکھ کر دیکھو۔ تمہارے پاس کسوٹی والا پتھر ہے۔

تارا **کانت** نے پھر **شیل بالا** کے ہاتھ سے بنسی لے لی اور دو تین مرتبہ ہونٹوں کے پاس لے گئے۔ مگر آج بانسری میں سے وہ نغمہ نہیں نکلا۔ اس وقت **شیل بالا** نے ہنس کر کہا۔ تم بھی ہار گئے۔

بانسری چھوڑ کر تارا کانت اس وقت **شیل بالا** سے مذاق کرنے لگے۔ **شیل بالا** کو پانی میں گرا دینے کے لئے اُنہوں نے دھکا دیا۔ اور پھر کھینچ لیا۔ **شیل بالا** بھی تارا کانت

کو زور سے پکڑ لیا۔ اس وجہ سے شیل پانی میں نہیں گری۔
اسوقت تارا کانت نے دیکھا کشتی پانی کی رو میں بہت دور نکل گئی ہے جلدی جلدی ڈانڈ چلاتے ہوئے کنارے لانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ناکامیاب رہے۔ یہ دیکھ کر شیل بالا نے ہنستے ہنستے کہا۔ ملاح جہاتے! میں ڈانڈ چلاؤں گی۔ تارا کانت نے ہنستے ہوئے کہا۔ ملاح کی بیوی! ڈانڈ نہیں چلانا ہوگا۔ صرف پال کو کھینچ لو۔ ایسا کر سکو گی؟ کشتی کا مستول اُٹھا ہوا تھا۔ اور ایک پال بھی پڑا تھا مگر پال مستول نیچے گرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر شیل بالا نے کہا۔ خوف نہیں اگرچہ مہارانی نہیں معلوم تو ملاحی کیسے کرتی ہوں۔
شیل بالا نے ماجھی کو پال اُٹھا کر دکھا دیا۔ خیر کسی دقت و تکلیف کے وہ کامیاب ہوئی۔ اس وقت کشتی باد موافق سے جھکولے کھاتی ہوئی ہوا کا نغمہ الاپتی ہوئی چلنے لگی تارا کانت نے کشتی کی روانی دیکھ کر کہا۔ مجھے اس قسم کا ایک ہوشیار ملاح رکھنا پڑے گا تاکہ آندھی و طوفان کے موقع پر بھی کسی مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
شیل بالا نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ سے رگن ماجھی کے پاس اچھا ملاح کیوں آنے لگا جس حوائی ہوئیں وہ صرف پرانوں کے دوش سے
تارا کانت نے ہنستے ہوئے کہا۔ تنخواہ زیادہ دینے پر بہت سے آئیں گے۔ تمہارے پرانوں کا دوش کیا اس سے بھی زیادہ ہے؟
شیل بالا۔ زیادہ دوش سمجھ کر ہی تو آئی ہوں۔ صرف تنخواہ کے لئے نہیں آؤں گی
تارا کانت۔ کیوں نہ آؤ گی؟
شیل بالا نے ہنس کر کہا۔ رگن ماجھی کے ساتھ رہ کر کون اپنی جان دینے آئیگا۔ سب کو ہی اپنی جان کا خوف رہتا ہے۔ بالخصوص تم آندھی پانی میں گرا ہو گئے ہی ہیں۔ پھر اس کی پرورش کیونکر ہوگی۔
تارا کانت نے مسخر آمیز لہجہ میں کہا۔ اگر کسی کو اپنی جان کا خوف نہیں ہے۔ تو وہ صرف میری شیل بالا کو۔
دم کے دم میں کشتی موقع پر پہنچ گئی۔ تارا کانت اور شیل بالا کی گفتگو کا بھی خاتمہ ہوا۔

بتیسواں باب ۳۲

وہی دو شخص

انندپور کے باہری حصے میں ایک بہت بڑا بھیانک جنگل تھا۔ اُسی جنگل کے اندر ویوار کا ایک سربفلک درخت تھا۔ اُس کی شاخیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ اُس کے سایہ میں راہرؤں کو بہت آرام ملتا تھا۔ وہ درخت اسقدر گنجان تھا۔ کہ کوّے بھی چھپ جاتے تھے تو پتہ نہیں چلتا تھا۔ اُسی درخت کے نیچے ایک نازنین بیٹھی ہُوئی تھی جسم پر سوائے ہڈیوں کے گوشت کا نام و نشان نہیں تھا۔ گلے میں جوتوں کا ہار پڑا ہُوا تھا۔ سر جھکائے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اور اپنی زندگی کے واقعات پر غور کر رہی تھی۔ سوچتی تھی زبردست بندھن ہے۔ کھول نہیں سکتی۔ مگر آزادی کے لئے ہات پاؤں مار رہی تھی۔ اِس جد و جہد میں چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔ وہ آواز درختوں کے پتہ پتہ سے ٹکرا کر پھر آواز بازگشت کی صورت میں گونج اُٹھتی تھی۔ یکایک کسی نے تمسخر آمیز انداز سے یہ شعر پڑھا

مدنر بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ✦ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہئے ویسی سنے

یکایک یہ آواز سُنکر عورت چونک اُٹھی اور چاروں طرف تحیرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگی دیکھا ایک شخص شاخ پر بیٹھا ہُوا ہے۔ اُس کے پاؤں نیچے لٹک رہے ہیں۔ اُس کی کرخت نگاہیں اسی عورت کی جانب تھیں۔ ذرا دیر بعد اُس نے درخت سے ایک ٹہنی توڑ کر نیچے گرائی اور پھر کچھ کہنے لگا۔

عورت نے آواز پہچان لی۔۔۔ پکارا مگر اُس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف پتوں کی آڑ میں چھپا ہُوا زور سے شاخیں ہلاتا رہا۔ بیچ بیچ میں طعنہ زنی بھی کرتا جاتا تھا عورت بہت دیر تک یہ طعن آمیز الفاظ سنتی رہی بعد ازاں بولی۔ پرتول اب زیادہ نہ کہو۔ تمہاری یہ تمسخر آمیز گفتگو اس وقت میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔

یہ عورت گومتی تھی گومتی رائے مہاشے کو مصیبت میں ڈال کر خود اپنے پاپ کا پرائشچت کر رہی تھی۔ رائے مہاشے نے ہی اُس کی یہ گت بنائی تھی۔ اور گانوں سے باہر

نکلوا دیا تھا۔ جو دیکھتا تھا۔ تالیاں بجاتا تھا۔ اور فقرے چست کرتا تھا۔ یہ سب برداشت نہ کر سکنے پر وہ اس جنگل میں چلی آئی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا۔ کہ پرتول اسی جنگل میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ گورمتی نے چھپ چھپ کر ہر چند پرتول کی تلاش کی تھی۔ شاید اب زندگی میں اُس سے ملاقات نہیں ہوگی۔ اس میں بھی اُسے شک نہیں تھا۔ اُس نے سوچا تھا۔ کہ پرتول سے ملاقات ہونے پر اُسے ساتھ لے کر ہمیشہ کے لئے آنندپور گاؤں چھوڑ کر کسی دور دیس میں چلی جاؤں گی۔ مگر گورمتی کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اگرچہ جنگل میں آج ملاقات بھی ہوگئی۔ تاہم پرتول نے آنکھ اُٹھا کر اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ اُس کی باتیں سُنکر غصہ میں آگیا۔ کرخت لہجہ میں کہا: "پاپی! یہاں سے دُور ہو——"

پرتول بھی پکڑے جانے کے خوف سے یہاں آچھپا تھا۔ گورمتی کی حالت دیکھ کر ڈر گیا تھا اُسے خوف تھا۔ کہ کہیں وہ اُسے بھی نہ گرفتار کرا دے یہ پرتول کی خام خیالی تھی۔ گورمتی کی یہ خواہش ہرگز نہیں تھی۔

پرتول کی یہ باتیں سُنکر گورمتی کے دل میں جیسے آگ لگ گئی۔ شرربار نگاہوں سے دیکھ کر۔ "پرتول! میں پاپی ہی سہی۔ مگر تیری طرح محسن کُش تو نہیں۔"

پرتول کا غصہ اور بھی تیز ہوا۔ وہ بھی سُلگتی ہوئی آگ کی طرح بھڑک اُٹھا۔ بولا۔ "بدبخت! آج تیرے نصیب میں مجھ——" افراطِ غضب سے وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ ہونٹ تھرتھرانے لگے۔

گورمتی اُس وقت چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح پھنکار کر بولی "کمبخت! میرے نصیب میں نہیں۔ تیرے نصیب میں!!"

غصہ میں بھرے ہوئے پرتول نے ایک شاخ توڑ کر زور سے گورمتی کے سر پر ماری۔ گورمتی اُس چوٹ کی تاب نہ لا سکی۔ اُس کے دل میں وہ پُرانا عہد تازہ ہوگیا۔ دانت پیستی ہوئی ستمگر لہجہ میں بولی "خبردار! معلوم ہوتا ہے تیرا آخری وقت آگیا۔"

یہ کہہ کر وہ پھر غضبناک نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ پرتول نے پھر ڈال ملاتے ہوئے تمسخر آمیز لہجہ میں کہا۔ "سچ ہے۔ جنم جلی۔ سچ ہے۔"

جیسے ہی اس نے یہ بات کہی۔ ویسے ہی شاخ پھٹ گئی۔ اور پرتول زمین پر آ گرا۔ گورمتی سامنے آئی دیکھا۔ ایک شاخ پرتول کا سینہ چھید کر خون کا فوارہ بہا رہی ہے۔ ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں ٹوٹ کر باہر آ گئی تھیں۔ ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ جان نکلنے میں تھوڑی دیر تھی۔

اس وقت گورمتی عجیب و غریب ہنسی ہنسنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں۔ زور سے پرتول کے سینہ پر لات ماری۔ بھاری کڑکتی ہوئی آواز میں بولی: جلموہو دیکھ! گورمتی کی پرتگیا دیکھ!!

یہ کہہ کر وہ پھر اپنے پاؤں سے اس کا سینہ دبانے لگی۔ راکھشسی گورمتی ابھی کیا پرتگیا پالن ہے۔

جاں بلب پرتول نے دھیمی آواز سے کہا۔ میں جا رہا ہوں۔ مجھے اپنے پاپ کا پھل مل گیا۔ یہ کہتے کہتے پرتول کی پاپی روح پاپی جسم کو چھوڑ کر کسی نامعلوم دیس کو چلی گئی۔ راکھشسی گورمتی اس وقت ہنستے ہنستے جنگل کے اندر داخل ہوئی۔

تینتیسواں باب

یہ کیسے کھیل ہیں؟ پانی میں بلبلے اٹھتے ہیں۔ پھول ہنستا ہے۔ حباب اٹھتا ہے اور پھوٹتا ہے۔ پھول ہنستا ہے۔ اور مرجھا کر خاک میں ملتا ہے۔ کچھ عجب سا ہے۔ جو سمجھ میں نہیں آتا جو سمجھ سکتا ہے۔ وہ یہاں اس لیلا کے سنسار میں زندگی کی آہوتی دیتا ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ اس کھیل سے سنسار کے تکالیف ہیں۔ ہر شخص یہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے سب اس کھیل میں دلچسپی لینا پسند نہیں کرتے۔ یہ سب کیا سوچ رہے ہیں۔ اتنی بات نہیں سوچتا یہ کیا کر رہے ہیں؟ خیر! اس اپنی بات ہی غور و فکر کیجیے

کہاں آ گئے۔ دیکھا سے کیا ہو گیا؟ پاگلوں طرح بالکل جیسے پاگل! مگر اس حالت میں بہت بہتر ہوں دنیا کے دکھ سکھ۔ رنج و غم۔ بڑا اللہ۔ غرض کسی کی خبر نہیں۔ کسی سے واسطہ نہیں انسانی زندگی کی حقیقت سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ اس لوک سے جیسے میرا کوئی تعلق ہی نہیں پاپی کی

پُرشور روانی میں بہتی ہوئی لکڑی کی طرح اندومتی کا خیال زندگی سے آیا۔ اس میں پھول کی طرح بہا جا رہا ہوں۔ وہ کبھی
زندگی تھی؟ اور کیسی ہو۔ اس میں ہمیں کیا فرق ہو۔ یہ نہیں کہہ سکتا۔ اس دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ڈوب گیا تھا
ــــ پرانی کاری جہاں تماشے دنیا کے جذبہ سے متاثر ہو کر مجھے بچا لیا۔ جب ڈوب گیا تھا۔ تو پھر کیوں
نکال لیا؟ بچایا تھا۔ تو پھر جسے چاہتا ہوں اُسے کیوں نہیں پاتا؟ اس بچانے سے فائدہ کیا؟
زندگی تو مردود ملی۔ مگر شانتی اور سُکھ کیوں نہیں ملا۔ رنج و غم کی آگ میں جل رہا ہوں۔ اس وقت
کی آگ پچھلی آگ سے بھی زیادہ تیز تر اور مشتعل معلوم ہوتی ہے۔ اندومتی کی تلاش میں جب
تک سرگرم رہا۔ اُس وقت تک کسی قسم کے دُکھ درد کا احساس نہیں ہوا۔ اندومتی نے میرے
دل پر اچھی طرح اپنا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اور یہ دل اُس کی سلطنت کا تخت بن گیا تھا۔
ہائے! آج وہ سلطنت کہاں گئی؟ اور وہ راجہ کہاں گیا؟ رنج و غم اور شور و شر کے دریائے
بیکراں کی لہروں میں بہتا جا رہا ہوں۔ دیکھو وہی نیلگوں آسمان ہے۔ وہی صاف شفاف
منور چاند ہے اور وہی اُس کی تھرکتی ہوئی روشنی! وہی کوئل کی دلدوز کوک! جنگل کے بہاؤ
میں وہی پُرسرور نغمہ نکل رہا ہے۔ سب کی حالت یکساں ہے۔ مگر میرا کچھ نہیں ہے۔ اس دنیا
میں جس کا کچھ نہیں ہے اُس کے دل میں کس قدر سوز ہوگا۔ اُس کی تکالیف کا اندازہ کون
لگا سکتا ہے۔ ایک شخص کی عدم موجودگی سے زندگی کے تمام مزے کرکرے ہو رہے ہیں۔
خیال تھا۔ کہ میرا سُکھ کا سمندر صاف شفاف اور ٹھنڈے پانی سے لبریز ہے۔ تشنگی سے
جاں بلب ہو کر اُس میں پیاس بجھانے کے لئے گیا۔ مگر ناکام واپس آیا۔ دیکھا کہ سمندر
کے سینہ میں زبردست آگ شعلہ زن ہے۔ بیم و یاس سے دل دھڑک اٹھا۔ پانی کی دو بوند
بھی جب اپنی تشنگی رفع نہ کر سکا۔ تو میرے زندہ بچنے سے کیا فائدہ؟ کیا اُس کی بھی ضرورت
تھی۔ کہ میں اس طرح کڑھتا رہوں۔ جو رنج و غم برداشت نہیں کر سکتا۔ اُسے گرداب بلا
میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ معلوم کس پچھلے کرم کے پھل سے یہ حقیر دل آج چتا کی آگ
میں جل رہا ہے۔

ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے نریندر ناتھ اسی قسم کے خیالات میں غوطہ زن تھے۔
خیر! نریندر ناتھ تھوڑی دیر بعد وہاں سے اٹھے۔ دم بھر کے لئے بھی کہیں آرام نہیں ملا۔

چلتے ہی گئے۔ کچھ دیر بعد انھیں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اندومتی انھیں ابھی ملجائے گی۔ اسی خیال سے جلدی جلدی چلنے لگے۔ راستہ کی تکالیف اور مشکلات کی ذرا بھی پرواہ نہ کی ذرا دور چلنے پر ایک گاؤں نظر آیا — اس سے دھو دھو کا نغمہ سنائی دیا۔ اور ایک سنسان لق و دق بیابان بھی جس میں سے بھی آواز آرہی تھی۔ اُسے طے کرنے پر جیسے اندومتی انھیں ملجائے گی اسے سینہ سے لگا نہ ہی رہی تمام تکالیف کا خاتمہ ہو جائیگا۔ عرصۂ دراز کے دکھ کے بعد سکھ نصیب ہو گا۔ اس قسم کے خیالات میں غوطہ لگاتے ہوئے وہ کتنی ہی دور پہنچ گئے۔ کتنے میدان اور جنگل چھوڑ کر وہ وہاں پہنچے۔ اس کا شمار نہیں۔ بہت دور پر ایک درخت تھا۔ انھیں امید تھی۔ یہاں ہی ہوگی۔ نریندر انہی خیالات میں مستغرق تھے۔ اور درخت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ وہ تکان سے چور ہو رہے تھے۔ رفتار بہت سست پڑ گئی تھی۔ جھجک جھجک کر آہستہ آہستہ قدم دھرتے تھے۔ شاید اس خوف سے کہ کہیں ان کی پاؤں کی آہٹ پا کر اندومتی بھاگ جائے مگر ہائے! درخت کے پاس پہنچنے پر بھی اندومتی نظر نہ آئی۔ چاروں طرف مایوسانہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ کبھی کبھی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگتا تھا۔ کبھی کبھی آنسو پونچھتے پونچھتے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگ جاتے تھے۔

یکایک نہ معلوم کون پیچھے سے بول اٹھا۔ نریندر! کیا دیکھ رہے ہو۔

نریندر نے دم بھر میں دنیا چھان ڈالی۔ مگر کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ بالآخر دل میں تلاش کرنے سے وہاں دیکھا۔ کہ اندومتی کی مورتی براجمان ہے۔ فرط بیخودی سے یوں بول اٹھے:۔ اندومتی کو —

آواز آئی:۔ "اندومتی کے چرنوں پر تمھیں وشواس ہے؟"

نریندر ناتھ نے آرزومندانہ لہجہ میں کہا:۔ اچھی طرح سے!

پھر وہی آواز سنجیدہ لہجہ میں آئی۔ خبردار! اب بھی کہتا ہوں۔ پھر دل سے پوچھو۔ تم —"

نریندر ناتھ مایوس ہو گئے۔ بات کاٹ کر بیتابانہ انداز سے بولے:۔ بتاؤ اندو کہاں ہے؟

ایسا معلوم ہُوا۔ جیسے اُس نے ہنس کر کہا۔ "تم پاگل ہو۔ اسقدر بیتابی سے کام کیونکر چلیگا؟"
نرپندر کو غصہ آ گیا۔ نہایت ہی کرخت لہجہ میں بولے۔ "تم انسان ہو۔ یا دیوتا ہو۔۔۔۔ تم جیسا خراب آدمی کوئی اِس دُنیا میں نہیں ہے۔ پوشیدہ رہ کر میرے ساتھ کھیل کر رہے ہو۔ اگر سامنے ہوتے تو تمہارا سر پھوڑ دیتا۔ اُسوقت معلوم ہوتا۔ کہ نرپندر ناتھ کے جسم میں کتنی طاقت ہے؟"
پھر وہی آواز آئی "بس نرپندر جس کے دل میں استقلال نہیں۔ وہ کیا انسان ہے؟"
نرپندر ناتھ کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا۔ ایسا معلوم ہُوا۔ جیسے یہ آواز پہلے بھی سُنی ہے تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ فکر کرنے لگے۔ مگر فکر کرنے کے باوجود بھی کچھ پتہ نہ کر سکے کبیدہ خاطر لہجہ میں بولے "میں پاپی ہوں میرا قصور معاف کرو۔ آپ کے پاؤں پڑتا ہوں دیا کر کے مجھے اندومتی سے ملنے کی تدبیر بتا دیجئے۔ ورنہ دردِ غم کی آگ میں جلتے ہوئے دل کو اسی ندی کے پانی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گا۔
"عہد کر سکو گے؟"
"کر سکونگا"
"عہد کو شکست تو نہ کرو گے؟"
"جان رہتے ہوئے ہرگز نہیں"
"کبھی اندومتی کا تیاگ تو نہیں کرو گے؟"
"نہیں"
اُسی وقت وہی آواز آہستہ آہستہ لہجہ میں آئی "بس نرپندر تھوڑی دور پر ــــ گاؤں میں ــــ ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی ہے۔ وہاں جانے پر اندومتی کو دیکھ سکو گے اندو کا پاک دل ہرگز نہ دُکھانا۔
آواز رُکی۔ نرپندر ناتھ نے دیکھا۔ اُن کے سامنے شیو کی سی مورتی براجمان ہے۔ دیکھتے ہی پہچان گئے۔ بول اُٹھے "یہ کیا؟ یہ کیا؟ مہاراج! تم ــــ تم ــــ"
یہ کہتے کہتے نرپندر ناتھ کو غش آ گیا کانپتے کانپتے اُن کے چرنوں پر کٹے ہوئے درخت

کی طرح گر پڑے۔ اُسوقت وہ زبردست شخصیت بھی معدوم ہوگئی۔ یہی مہاپرش تریشنا کے حیون داتا تھے۔

چونتیسواں باب

لسر موت

ایک معمولی مکان میں ایک تنگ کمرہ تھا۔ اس کی حالت نہایت خستہ و بوسیدہ تھی۔ دروازے میں کواڑ تک نہیں تھے۔ جابجا کوڑا پڑا تھا۔ تمام مکان میں عفونت تھی۔ شاید دوزخ سے بھی زیادہ! کمرے میں گودڑی کے ٹکڑے جابجا بچھے تھے۔ اور اس پر ایک عورت پڑی ہوئی تھی۔

عورت کی حالت نہایت خوفناک تھی۔ جسم پر گوشت کا نام نہیں۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ تمام بدن سیاہ پڑ گیا۔ گالوں میں گڑھے پڑے تھے۔ آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں مگر ان میں ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی سی روشنی تھی۔ ان آنکھوں سے گرما گرم آنسو ٹپک رہے تھے۔ رہ رہ کر مخوف نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ گلا رندھا ہوا تھا۔ اور روح قفس عنصری کی قیود سے آزاد ہونے کے لئے سرگرمی دکھا رہی تھی۔ وہ زیادہ تر بیہوشی کی حالت میں رہتی تھی۔ خواہش کرتی تھی۔ کہ ہوش و حواس قائم رہیں۔ مگر کامیاب نہ ہوتی تھی۔ بڑی سخت تکلیف تھی۔ دوزخ کی تکالیف شاید اس سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہونگی۔ بیہوشی کی حالت میں اسے ایسا احساس ہوا۔ جیسے وہ کال ساگر کی ترنگوں میں غوطے کھا رہی ہے۔ اور کہیں پناہ نہیں ملتی۔ ایسا بحر بیکراں جس کی تھاہ نہیں کنارہ نہیں۔ پناہ کہاں ملتی؟ لہروں کے تھپیڑے سے تمام بدن زخمی ہو رہا تھا۔ نام میں پانی بھر گیا۔ کانوں میں ہو ہو کی ہیبتناک آواز آنے لگی۔ پانی پیتے پیتے پیٹ پھول گیا۔ اور وہ خود غوطے کھانے لگی۔ بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ کسی طرح اس نے سانس لیا۔ تکلیف سے روتے روتے آنکھیں پھول آئیں۔

یکایک عورت نے کچھ دیکھا۔ ان ہیبتناک لہروں کے اندر ایک چھوٹی سی کشتی ہے۔ جو بہت خوبصورت نظر آتی تھی۔ اگرچہ پانی کا بہاؤ نہایت جوش خروش پر تھا۔ پھر بھی کشتی پرسکون تھی۔

اس کشتی میں کتنے ہی خوفناک لوگ تھے۔ اُن کے ہات میں ایک ایک نیم سوختہ بانس کے ٹکڑے تھے۔ اور وہ اُنھیں سے کشتی چلاتے ہوئے عورت کے پاس آئے۔ آتے ہی ایک بانس عورت کے بالکل قریب ہی پھینک دیا۔ عورت نے اُس بانس کے ٹکڑے کو پکڑنے کے لئے ہات بڑھایا۔ اُس بانس کو پکڑتے ہی ایک مورتی "ہی ہی" کر کے ہنسنے لگی اور بانس چھین لیا۔ عورت پناہ کی جگہ نہ پاکر پانی میں غوطے کھانے لگی۔ غوطے کھاتے کھاتے اُس نے اندازہ لگایا جیسے اُس کی رُوح جسم کو چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ واقعی جیسے وہ مرگئی تھی۔ اگر مرگئی تھی۔ مگر پھر بھی سناہٹ نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ کہ اُس کا تمام جسم پانی سے پھول گیا ہے۔ کتنے ہی کتے۔ لومڑی۔ گدھ اور کوتے اُس جسم کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور بہت ہی بیدردی سے کھا رہے ہیں۔ عورت یہ سب دیکھ کر چونک اُٹھی۔

اس نے یہ بھی دیکھا۔ کہ کچھ دیر بعد وہی خوفناک لوگ آپس میں ملکر اس کی رُوح کو لے چلے کہاں؟ بالکل تاریک مقام میں۔ جوں جوں وہ لیجا رہے تھے۔ توں توں تاریکی اور بھی بڑھتی جاتی تھی۔ اُس ظلمت میں کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اس گھٹا ٹوپ تاریکی میں وہ لوگ کیونکر جارہے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ گویا ہر چہار طرف تاریکی کا پردہ پڑا تھا۔ دائیں۔ بائیں۔ اُونچے نیچے آمنے سامنے غرض چہار طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا۔ تاریکی ناچ رہی تھی۔ یہہ رہی تھی یکایک اُس تاریکی میں بجلی چمکی۔ عورت نے اُس کی روشنی میں پھر دیکھا۔ سامنے زبردست آگ مشتعل ہے۔ اُس پر ایک بڑا کڑاہ چڑھا ہوا ہے۔ اور تیل کھول رہا ہے۔ اُبل رہا ہے۔ اور اُس میں انسان کی ہستی ہی تلا پتا جلتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ ایک طرف لوہے کی گرم گرم سرخ سلاخیں نظر آ رہی تھیں عورت کو ڈھکانے کے لئے وہ لوگ وہی سلاخیں لا رہے تھے۔ اور عورت کی پریت آتما کو گھسیٹ کر اُسی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ اور اُنہیں گرما گرم سلاخوں سے عورت کا جسم چھو چھو کر اُس کھولتے ہوئے تیل میں غرق کرنے لگے "ہائے! جان گئی! جان گئی! ارکھشا کرو رکھشا کرو" یہ کہتے ہوئے وہ بے چینی سے تڑپتی ہوئی جیسے چلانے لگی مگر یہ دردمند آواز کسی کے کانوں تک نہ پہنچی بلکہ وہ ہیبتناک صورتیں بڑے بڑے دانت نکال کر مضحکہ خیز ہنسی ہنسنے لگیں۔

پھر بجلی چمکی۔ دیکھا اُسی کڑاہ کے پاس جیسے پرتول کھڑا ہے۔ کھڑا کھڑا وہ بھی ہنس رہا تھا۔ اُسکی

درد مند سُنکر تالیاں بجاتا تھا۔ اور ناچتا تھا۔ عورت نے پرتول کو دیکھ کر اپنی جان بچانے کی سعی کی۔ پرتول نے یہ بات سُن کر بھویں چڑھا لیں۔ اور شرر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔
یکایک گورسنی کی نیند ٹوٹی۔ دیکھا —— پاس کوئی بھی نہیں۔ خوف سے تمام جسم ہوا سے ہلتے ہوئے پتے کی طرح تھر تھر کانپ اُٹھا۔ کانپتے کانپتے پھر غش آگیا —— پھر وہی ہیبتناک نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔

پینتیسواں باب ۳۵

کنگن پور نامی گاؤں کے پاس ایک پرانا جنگل تھا۔ یہ نہایت ہی دلکش اور پُرفضا تھا۔ طرح طرح کے پھل دار درخت تھے۔ قدرتی خوشنما بیلیں بھی بکثرت تھیں۔ لوگ آتے جاتے بھی تھے۔ کچھ دن ہوئے۔ اسی جنگل میں ایک دُبلی پتلی نازک اندام نازنین نے آکر پناہ لی تھی۔ ہڈیوں کے سوا گوشت و پوست کا نام تک نہیں تھا۔ خوبصورت بالوں کے گچھے رو کھے پھیکے نظر آ رہے تھے۔ لباس تار تار۔ تمام بدن میں بھبھوت ملی ہوئی تھی۔ کھانے پینے کے لئے وہ گاؤں میں نہیں جاتی تھی۔ جنگل کے قدرتی پھل پھول سے زندگی کے دن بسر کر رہی تھی۔

شام نے تاریکی کا لباس زیب تن کیا تھا۔ اُس کا عکس درخت اور درخت کے پتوں پتوں پر پڑ رہا تھا۔ ایسے وقت میں وہی نازنین کٹیا کی ایک کھڑکی کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ کھڑکی کے سامنے ایک درخت تھا۔ جس کی شاخ پھولوں سے لدی تھی اُسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے پھول کِھل کِھلا کر ہنس رہے ہیں۔ نازنین کو وہ ہنسی بہت پسند آئی۔ مگر اس نے دیکھا۔ کہ ایک کِھلا ہوا پھول مُرجھا کر زمین پر گر پڑا۔ سوچنے لگی تمام کلیاں کھلتی ہیں ہنستی ہیں اور ہنس کر پھر خاک میں کیوں مِل جاتی ہیں! اُن کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ پیارا پیارا دلاویز تبسم نازک پنکھڑیاں اور حسن کی ملاحت میں نہایت ہی دلکش نکھار ہے۔ مگر یہ سب تھوڑی دیر کے لئے کوئی جی بھر اسے نہیں دیکھنے پاتا۔ خود بخود پھولتا ہے۔ اور خود ہی مُرجھا کر خاک میں مِل جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اگر اور تھوڑی دیر تک شگفتہ رہ کر اپنی بوئے خوش سے

باغ میں کُنج خطا کرتا۔ تو اس میں کیا ہرج تھا؟ تُم نے بھی کیا میری طرح کسی کے دل کو چوٹ پہنچائی
ہے۔ اور اسی لئے تمہارا تیاگ کیا گیا ہے؟ اُلفت آدھے ملے سے بھول ہتے ہوئے ان سے آپ بہت
کیا سُکھ ہے؟ بلکہ کچھ دیر تک قیام پذیر ہو کر ــ خود ہنسکر کسی دوسرے کو بھی ہنسا کر جاتے
تو اس سے ایک رُوحانی سُکھ ملتا۔ ابھی آئے۔ ابھی گئے۔ ایسا کیوں تمہارے نازک جسم میں کیا کسی کی
ناقابل برداشت تکلیف تھی۔ تکلیف پاتے ہی کیا یکدم مُرجھا کر خاک میں مل گئے؟ میں تو مصیبتیں
اُٹھا کر اُمیدوں کے سبز باغ دیکھنے کی خواہش میں زندہ ہوں۔ تم کیوں نہ ٹھہرے؟ سمجھ گئی
تُم زندگی کی خوشیاں اور اُمنگیں کا اظہار کرنے آئے تھے۔ بادل میں خوشحال ہیں۔ اور تُم بھی شوخ
ہو۔ بجلی اور لہریں سب شوخی سے بھرپور ہیں۔ میرا دل بھی چنچل ہے۔ پھر کیوں اس زندگی
کا خاتمہ نہیں ہوتا؟ پھُول! تم جس راستہ میں گئے ہو۔ میری دُکھ سے بھری ہوئی زندگی بھی
کیوں اُسی راستہ میں نہیں جاتی؟ کبھی ایسی تمہاری طرح اس سنسان جنگل میں برباد ہو
نہیں کرتی۔ مرُونگی تو اُنہیں کے پاک قدموں میں! جو اُن قدموں میں اپنا مایہ زیست تیاگ کر سکتا ہے
وہ عرصہ دراز تک سورگ کا بھوگ کرے گا۔ کیا تیری ایسی قسمت ہو گی؟

اندومتی نے اُسوقت ایک گہرا سانس لیا۔ سینہ پر موتیوں کی لڑی کھسکنے لگی۔ آنکھوں کے
آنسو پونچھ کر پھر سوچنے لگی۔ اسوقت وہ کہاں ہیں؟ کیا میری یاد کرتے ہو نگے؟ میں کلنکی ہوں
مجھے کیوں یاد کرینگے؟ معلوم ہوتا ہے۔ بھُولنے کی کوشش کرتے ہونگے گھر چھوڑنے پر ایک
دن بھی تو یہ دل نہیں رہا۔ ہمیشہ اس دل میں برہ کی آگ جلتی رہی۔ اس دُکھ کا کیا خاتمہ نہیں؟
وہ شگفتہ پھُولوں کے درخت کے نیچے بیٹھ کر بہت مسرور ہوئے تھے۔ چاند نکلنے پر اس
کا کلنک دیکھ کر کس قدر تمسخر کرتے تھے۔ تارا ٹوٹتے دیکھ کر کہتے تھے اندو! گھر
کے اندر جاؤ۔ یہ دیکھو۔ چاند تمہارا مسرور چہرہ دیکھ کر حسد سے تمہیں لینے کے لئے سورگ کے دوت
بھیج رہا ہے۔ جب پرند کہتا۔ "بہو بات کہو" سب ہنستے ہنستے کہتے۔ اندو! خبردار ابھی بات
نہ کرنا۔ دیکھو بڑا کہیں نظر نہ لگا دے۔ یہ کہتے کہتے وہ اپنی پیاری نازک انگلیوں سے میرا منہ
بند کر دیتے تھے کسی طرح بھی بات نہ کرنے دیتے تھے بھولوں کی ہنسی اُنہیں پسند نہ آتی تھی۔ کہتے
تھے۔ پھُول اگرچہ تو نے اندو کی مسکراہٹ چُرالی ہے مگر پھر بھی اندو کی یہ مسکراہٹ میں

نہ معلوم کیسے کیسے دلگداز انداز ہیں۔ میں ترنم سے پانی پانی ہو جاتی تھی۔ اسوقت بھی کتنے ہی پھولوں سے لدے ہوئے درخت نظر آ رہے ہیں۔ مگر انہیں دیکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسوقت بھی چاند میں کلنک ہے۔ اب بھی تارے کھلتے اور ٹوٹتے ہیں پرند نغمہ سرائیاں کرتے ہیں۔ پھول ہنستا ہے۔ مگر وہ تو انسی طرح اسی اطمینان سے کچھ نہیں کہتے۔

اس طرح سوچتے سوچتے اس کی حالت ہوبہو ویسی ہی ہو گئی جیسی ماں کی بچے کے جدائی میں ہوتی ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دل مایوس ہو گیا۔ کلیجہ میں جیسے کوئی چٹکیاں لینے لگا رفتہ رفتہ سسکیاں بھرنے لگی۔ بہت دیر تک اسی طرح تڑپتی رہی آہستہ آہستہ بیقراری دور ہونے لگی۔ اس کے بعد پھر سوچنے لگی۔ بہت اچھا کیا۔ یہاں رہنے پر بھی ایک طرح اچھی ہی ہوں۔ میرے لئے شیل بالا کیوں تکلیف اٹھائے گی۔ میں بھی اسے تکلیف کیوں پہنچاؤں گی اس سے کہکر نہیں آئی۔ اچھا کیا۔ اگر تاتی۔ تو نہ آسکتی۔ شیل بالا دوسروں کا دکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اپنے دل کو اندر پوسیدہ رکھ کر وہ دوسروں کی تکلیف دور کرنے کی کوشش میں ہمیشہ سرگرم رہتی ہے۔ ایسی شیل بالا سے کہکر کیا آسکتی تھی۔ کبھی نہیں۔ اگر اس سے ذکر بھی کرتی تو نہ معلوم وہ کس قدر سمجھاتی بجھاتی۔ نہیں کہا یہ بھی اچھا کیا۔ شیل بالا اب سکھی ہو سکیگی وہ اپنے سکھ کا راستہ اسوقت خود ہی تلاش کر لے گی۔ میں اس کے سکھ کی راہ میں کانٹا ہو رہی تھی۔ ایشور سے پرارتھنا کرتی ہوں۔ کہ شیل آج ہی سکھ کا منہ دیکھے۔ میرے ساتھ رہنے سے وہ ہمیشہ درد و غم کی آگ میں جلتی رہتی۔ اپنے سکھ کے لئے دوسروں کو دکھ دینا کیا مناسب ہے شیل بالا نے میرے لئے کیا کم دکھ اٹھایا ہے میرا دکھ دور کرنے کے لئے اس نے بھوک پیاس۔ سردی۔ گرمی۔ خشکی۔ تری۔ غرض بڑی بڑی آفتوں کا سامنا کیا۔ میں کس طرح سکھی ہو سکی۔ وہ اسی فکر میں رہتی تھی۔ دھنیہ ہے شیل بالا کی پراُپکاری زندگی پر دھنیہ ہے بھگوان ضرور اس کا منورتھ پورا کریں گے

یکایک ایک سرا کیڑا چھوٹے سے کیڑے کی طرف منہ کئے اندومتی کے پاؤں کے پاس سے آنے جانے لگا۔ اندومتی کی نگاہ اس پر پڑی۔۔۔ جیسے ہی اس کیڑے کو پکڑنے چلی ویسے ہی وہ چھوٹا کیڑا آ گیا۔ اندومتی اسے اڑتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے آنچل کی زد سے

اسے پیچھے گرا دیا۔

چھوٹے کیڑے نے اس بڑے کیڑے کو چھوڑ دیا۔ اور اندومتی کے ہر چہار طرف اُڑ اُڑ کر دیکھنے لگا۔ اندومتی کیڑے کو پاکر بہت خوش ہوئی۔ اور اُسے چومنے لگی۔ کبھی اڑانے کی فکر کرتی تھی۔ مگر چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اُس میں اڑنے کی پوری پوری طاقت ابھی نہیں آئی تھی۔ کیڑے کو پاکر وہ اپنے تمام خیالات بھول گئی۔

ناظرین! یاد ہوگا۔ کہ شیل بالا نے اکانت سے کہا تھا "شاید اندومتی کو کوئی لے گیا۔" اُس کا یہ قیاس بالکل غلط تھا۔ اندومتی نے کیوں شیل بالا کا ساتھ چھوڑا معلوم ہوتا ہے اس وقت سب سمجھ گئے ہوں گے۔ اس وجہ سے ہم بھی اس باب میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

چھتیسواں باب ۳۶

مشتبہ ملن ا

آدھی رات کا وقت تھا۔ چاند تاریکیوں کے پردہ کو چاک کرتا ہوا اپنی سُوترکرنوں سے صفحۂ عالم کو جگمگا رہا تھا۔ اندومتی اُس وقت کھڑکی سے اُٹھائی تھی کیڑے کو ایک اچھی جگہ رکھ دیا تھا۔ اور خود مشرقی جانب منہ کرکے آنچل کو گلے میں ڈال کر بیٹھی ہوئی سریندر ناتھ کے پاک چرنوں میں دھیان لگائے گا رہی تھی۔

گانے کے بعد زمین پر سربسجود ہو کر سریندر ناتھ کو پرنام کیا۔ اس کے بعد وہیں زمین پر لیٹ گئی۔ ایک اینٹ کا تکیہ لگا لیا۔ کیونکہ وہاں کوئی اور چیز نہیں تھی۔ ہاں اگر کوئی چیز وہاں تھی۔ تو وہ بہت سے پھل تھے معلوم ہوتا ہے۔ انہیں پھلوں سے اندومتی کے اتنے دن کٹے تھے۔

اندومتی لیٹی ہوئی ضرور تھی مگر نیند کے عوض اُس کے دل میں وہی خیالات آنے لگے۔ جن کی ادھیڑ بن میں وہ ایک عرصہ سے تھی۔ سوچا! بھگوان اب زیادہ عرصہ تک یہ جلن نہ سہی جائے گی۔ سریندر! پیارے سریندر! اس جنم کی کنگالنی کو کیا اب اپنے شری چرنوں

میں جگہ نہ دو گے؟ تمہارے سوا اِس دُنیا میں میرا اور کوئی نہیں۔ تمہیں میرے دھیان دہانی
اور تم ہی میرا لوک پرلوک ہو۔ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ بڑی آس تھی۔ کہ تمہاری بھگتی اور پوجا
کر کے اپنا جنم سپھل کر دونگی مگر افسوس کہتی ہوں کہ میری کوئی لالسا پوری نہ ہو سکیگی تمہارے چرنوں میں ہی بھگتی ہو پا کر دو رکھے
بعد ماتا اور رات کے بعد دن آتا ہے ہو اس ابھاگنی نے کیا قصور کیا ہے؟ میرے نصیب پھوٹ گئے ہیں کیا۔
اسی وجہ سے میرے دل کے سب کچھ اور پاک تیرتھ سروپ چرنوں میں بھی واسی جگہ نہ پاسکی
جس تاج کو پکڑتی ہوں۔ وہی ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں اور کتنا عرصہ ٹھہر سکونگی؟ اگر جاؤں بھی
تو کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟

اسی طرح سوچتے سوچتے اندومتی کی آنکھوں سے جمنا کی دھار رواں ہوئی — دِل رویا — سانس کھینچ کھینچ کر جیسے اوپر آنے لگی۔ اور اندومتی کو معلوم ہوا۔ اُس کے دل میں۔ دائیں بائیں۔ آمنے۔ سامنے۔ آگے پیچھے غرض ہر طرف جیسے نریندر ناتھ کی مورتی پرچھایاں مرچھوئی نہایت سا کن تھی۔ نہ معلوم کیوں؟ اگر ہات دکھائی دیتے تھے۔ تو پاؤں نہیں نظر آتے تھے۔ پاؤں دکھائی دیئے تو جسم کا باقی حصہ روپوش۔ نظر ٹھہرتی ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں اندومتی بہت دیر تک پڑی رہی۔

مگر جسقدر یکسوئی سے نریندر ناتھ کا تصور کرتی رہی اُسی قدر اُس کے دل پر ایک پُرسرور نشہ کی حالت طاری ہوتی تھی۔ اُس کے دل میں نریندر ناتھ کی جلالی و جمالی صورت نے اپنا نور چمکایا۔ اُس مورتی کا درشن پا کر بھی اندومتی نہایت ہی پُرسکون — اچل رہی۔ اسے نہ خوشی تھی۔ اور نہ ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ جیسے وہ نریندر ناتھ کے روپ میں لے ہوگئی۔ فرطِ بیخودی سے صرف اسقدر بولی۔ ہائے نریندر!

جب اندومتی محو عقیدت سے سرشار ہو کر نریندر ناتھ کے تصور میں محو تھی۔ اُسوقت ایک شخص آہستہ آہستہ قدم جماتا ہوا۔ اُس کٹی میں داخل ہوا۔ اور پاگلوں کی طرح کھڑکی میں منھ ڈال کر اُس کی تمام حرکات دیکھنے لگا۔ اُسوقت چاند کی صاف شفاف منور کرنیں درختوں کے پتوں کو چھیدتی ہوئیں آہستہ آہستہ اُس کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ اور تمام کمرہ اُس کی ہلکی ہلکی شعاعوں سے جگمگا رہا تھا۔ اور ہر چیز آسانی نظر آرہی تھی۔

خبر! اندومتی نے ہائے نریندر! ہائے نریندرا! کی رٹ لگاکر اپنے دُکھ کا اظہار کر رہی تھی۔ اور اُس شخص کا کلیجہ اندومتی کی یہ جگر سوز آواز سُن کر جیسے شق ہُوا جاتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ یہ جگر خراش آواز سُن کر اُس نے اچھی طرح سمجھ لیا۔ کہ اندومتی کا سینہ چاک ہو گیا ہے۔ اور اُس کا دل چور چور ہو کر قفس عنصری کو توڑتا ہُوا نریندر ناتھ کا غم رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہُوا چوروں کی طرح کمرے کے اندر داخل ہُوا۔ دیکھا نازنین کا پھلا پھولا جسم سُوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ زار و نزار۔ ملاحیت جاتی رہی۔ سُوکھے ہوئے کمل کی طرح اُس کی حالت ہے۔

عین اُسی وقت اندومتی نے خود فراموشانہ انداز سے کہا:۔ بھگوان! وہی تارے! وہی چاند۔ وہی آسمان۔ وہی سب کچھ۔ وہی سب ـــ مگر ـــ " وہ شخص اندومتی سے ذرا فاصلہ پر تھا۔ یہ سُن کر چار قدم اور بڑھائے۔ اندومتی نے پھر کہا۔ "اُس اندو اور اِس اندو میں کس قدر فرق ہے؟"

اندومتی کو اُس کی آہٹ نہیں ملی۔ اُس شخص نے دو قدم اور بڑھائے۔ نہایت ہی آہستہ سے باریک آواز سے کہا "سُورگ ہے یا ـــ"

اندومتی کے کانوں تک یہ بات پہنچی۔ بولی۔ سورگ ـ ـ ـ بن مرے سے کیا تعلق نہیں۔

پہلے کی طرح اُس شخص نے اور دو قدم بڑھائے۔ اور نہایت ہی نرم آواز سے بولا۔ "ہے"۔

یہ کہہ کر وہ شخص ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اس وقت وہ اندومتی کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ یکایک اندومتی کا دایاں ہاتھ اُس شخص کے پاؤں پر پڑا۔ بہت ٹھنڈے اور تسکین بخش۔ "یہ تو میرے نریندر کے پاؤں کی طرح ہیں"۔ کہہ کر وہ چونک اُٹھی۔ دیکھا۔ سامنے نریندر ناتھ کھڑے ہیں۔

اُس وقت اندومتی کا دل کانپنے لگا۔ اور تمام جسم کانپ اُٹھا۔ منہ سے ایک بات بھی نہ نکلی۔ اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ اور کیا کہنا چاہئے۔ یہ بھی نہ سمجھ سکی۔ صرف نریندر ناتھ کے دونوں پاؤں اپنے سینہ سے لگا لئے۔ بعد ازاں درد بھرے لہجہ میں بولی۔ "نریندر! اتنے دنوں بعد ـــ" اور کچھ نہ کہہ سکی۔ نہ دو چار بوند آنسو ٹپک کر کے باہر آئے۔ وہ رونے لگی۔

نریندرناتھ بھی اندومتی کی بات کا کوئی جواب دے سکے۔ صرف ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ اندومتی بھی نریندر سے لپٹ گئی۔ اُس وقت اُنکے دلوں میں کیسے کیسے خیالات جوش زن ہو رہے تھے یہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ دِل بھر آتا ہے اور آنکھیں آبلوں ہو جاتی ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی۔ کہ دونوں میں سے کسی کے مُنہ سے کوئی بات نہیں نکلی تھی۔ صرف آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ اُن آنسوؤں نے ہی جیسے اُن کے دِل کی تمام تکالیف و غم کا اظہار خموشی سے کر دیا تھا۔ اندومتی نریندرناتھ کے سینہ پر اپنا سر رکھے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی ؀

انجام

آخری باتیں!

نریندرناتھ اور اندومتی دونوں گھر آئے۔ یہ خبر سُنکر تمام گانوں میں خوشیوں کی دھوم مچ گئی۔ مگر نریندرناتھ کو کچھ بہت خوشی نہیں ہوئی۔ کیونکہ رائے مہاشے اور نریندرناتھ کی ماں دونوں نریندرناتھ و اندومتی کے غم میں اِس دُنیا سے دوں کو چھوڑ کر پرلوک چل بسے تھے۔ اُن کے غم میں نریندرناتھ بھی کچھ دنوں تک بستر دوست رہے۔ اِسکے بعد زمانہ کی رفتار کے بموجب وہ دُنیا کے کاموں میں پھنسے۔ ہم نے سُنا تھا۔ کہ اُن کے سلوک اور راج کاج کی قابلیت سے رعایا برابا اُن سے بہت خوش تھی ؀

نریندرناتھ کے جیون داتا مہاپرش بھی نریندرناتھ کے محل میں آ کر اُن سے ملے۔ نریندرناتھ اور اندومتی کے بیحد اصرار پر اُنھوں نے دونوں کو بھگتی بھاؤ کی تعلیم دی۔ اور مالک سے قربت حاصل کرنیکا نہایت ہی سہل یوگ بتایا ؀

مادھوری کا شوہر سنیاس آشرم میں بدستور رہا۔ ہم نے بہت کچھ پتہ لگا کر یہ باتیں معلوم کیں۔ سنیاس لینے کے بعد جنم بھومی کا درشن ایک مرتبہ ضروری ہے اسی لئے جوگی کے بھیس میں وہ دیس آیا تھا ؀

گورمنی کو حالتِ نزع میں دیکھا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ نہیں کہہ سکتے معلوم ہوتا ہے

اُسکا جسم کتوں۔ گیدڑوں کی غذا ثابت ہؤا۔ دُوبے جی گورمنی کی حالت دیکھ کر خوف سے کہیں بھاگ گئے ۔

نریندر ناتھ کے گھر آنے کے ایک برس بعد رام بھدر نے مُلکوں مُلکوں کا سفر کیا۔ اِسکے بعد دیس آکر وہ بہت تھوڑے دنوں تک زندہ رہے ۔

کچھ دن بعد تارا کانت و شیل بالا گھر آئے۔ نریندر ناتھ کے آنے کا حال سُنکر بہت خوش ہوئے۔ دونوں ملے۔ تارا کانت نریندر ناتھ کی تلاش میں گئے تھے۔ نریندر ناتھ کو گھر آتے ہی یہ پتہ لگ گیا تھا ۔

تارا کانت کے ساتھ شیل بالا کی شادی ہو۔ نریندر ناتھ کی شروع سے یہ خواہش تھی۔ مگر اندو متی کے چلے جانے سے بہ اُسوقت نہ ہو سکا۔ شیل بالا شادی کے بعد کبھی کبھی نریندر ناتھ کے پاس آکر۔ گھر چھوڑنے کے بعد اِندو نے جو جو کیا تھا۔ وہ سب باتیں کہہ کہہ کر ہنستی ہنساتی تھی ۔

اُسوقت اِندو متی کے پاس بیٹھے ہوئے شیل بالا کا چھٹکارا نہیں ہوتا تھا۔ اِندو شیل بالا کے اُوپر خوب جھنجھلاتی تھی۔ نریندر ناتھ ابھی سب باتوں کا ذکر کرکے اِندو متی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے۔ دونوں ایک دُوسرے کی جدائی کے ایام کے داستانیں سناتے تھے جس وقت یہ تمام باتیں شروع ہوتیں۔ اُس وقت دونوں بیٹیا مانا نندا سے رونے لگتے تھے۔ اِسی طرح اُن کے سُکھ کے دن گذرنے لگے ۔

ہم بھی اپنے ناول کا خاتمہ کرتے ہیں ۔

تمت

۱۴ مارچ ۱۹۱۹ء

نوٹ ۔ اس سلسلہ کا دسواں ناول منتر شکتی بہت جلد شائع ہوگا۔ جو نہایت ہی دلچسپ اور عجیب حیرت ہے۔ بنگالی زباں میں اسکے کئی ایڈیشن ہوئے ہیں۔ قیمت ۱۲؍ مگر ناول میگزین کے مستقل خریداروں کو بدستور نصف قیمت پر ملیگا۔ گیارھواں ناول الشعراء ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور کے معرکتہ الآرا ناول نوکا ڈوبی کا ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ بھی خوب ہے قیمت ۱۲؍ مستقل خریداروں کو نصف قیمت پر بھیجا جائیگا ۔

حیرت انگیز انکشاف

سُراغ ! سُراغ !! سُراغ !!!

حسن و عشق کے فسانے دلکش ضرور ہوتے ہیں مگر ان سے کہیں زیادہ تر دلفریبی اور دلچسپی کا سامان ان قصوں میں ہوتا ہے۔ جو سراغرسانی اور جاسوسی سے مخصوص ہیں علم و کمال یہ شعبہ زمانہ حال کی جدت کا نتیجہ ہے۔ دُنیا میں ایسے صاحب دماغ اور حقیقت رس اور پیچ والے سراغرساں پیدا ہوتے ہیں جو اپنی خداداد قابلیت سے ان عیار مجرموں کے کان کاٹتے ہیں۔ اور ان کی اگلی پچھلی اور درمیانی کارروائیوں کا خوش اسلوبی سے پتہ لگا کر اس وقت یقین کے ساتھ انہیں گرفتار کر لیتے ہیں۔ ان کے حالات بلحاظ واقعات بیشک قدیم قصوں سے کہیں زیادہ دلآویز۔ زیادہ دلپسند اور زیادہ سبق آموز ہوتے ہیں۔ اور مطالعہ کرنے والوں کے عقلی جذبات کو نشوونما دیتے ہیں۔

احقر اختر نے اردو لٹریچر میں اس صنف کے اضافہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ کہ جاسوسی کے متعلق نئے نئے حیرت انگیز سنسنی خیز ناولوں کو اردو کا جامہ پہنایا جاوے۔ سلسلہ ناول میگزین سے بالکل علیحدہ **سُراغ** کے نام سے موسوم ہے۔ سال بھر میں اس سلسلہ کے کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ناول نکلتے ہیں۔ سال بھر کے تمام ناول مستقل اور مسلسل خریداروں کو نصف قیمت پر دئیے جاتے ہیں اور عام اصحاب سے پوری قیمت لی جائیگی۔ مستقل خریداری کے خواہشمند اصحاب سے ۸ زائد صرف ایکمرتبہ لئے جاتے ہیں جس کی ادائگی پر وہ مستقل خریدار تصور ہوکر اس سلسلہ کا ہر نمبر نصف قیمت پر پانے کے مستحق ہونگے۔

اس سلسلہ کے تین ناول شائع ہوچکے ہیں۔ پہلا ناول **جاسوس** نہایت ہی قبول اور حیرت انگیز واقعات سے مملو ہے قیمت ۱۱ مستقل خریداروں سے ۸ دوسرا ناول **طلسمی خون** نہایت ہی دلچسپ جسم زخم اور [illegible] اس کی دلچسپی چار چاند لگا دئیے [illegible] ناول رکت سا گر [illegible] بنگال کے [illegible] ناول [illegible] مسٹر [illegible] ہی [illegible] ناول کا اردو ترجمہ [illegible]

مستقل خریدار [illegible]

مسٹر [illegible] ناول میگزین [illegible]

رادھا سوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی آگرہ کی نایاب کتب

سنت امرت بانی کا سلسلہ جن اصحاب کو پسند آئے
اور اس قسم کا لٹریچر جنکو مذاق ہو وہ اپنا نام مستقل
خریداروں کی فہرست میں داخل کرا دیں انکو تمام کتابیں
چھپتے ہی ۳/۴ قیمت پر بھیجدی جائینگی۔ جو مستقل
خریدار نہیں ہونگے۔ ان سے اصلی قیمت لی جائیگی
یہ سلسلہ اپنی قسم کا نہایت ہی سستا اور بھگتی بھاؤ کا
بڑھانیوالا ثابت ہوگا۔ اس سلسلہ کی اب تک حسب
ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) ست کبیر کی ساکھی۔ قیمت اصلی ۱۰/ رعایتی ۸/
(۲) ست کبیر کی شبداولی معہ تشریح " ۵/ " ۶/
(۳) گورو تیغ بہادر صاحب کی بانی " [illegible] " [illegible]
(۴) بچن سار حصہ اول " عہ/ " ۱۲/
(۵) بچن سار حصہ دوم " عہ/ " ۱۲/
(۶) شاہی بھکاری " عہ/ " ۱۲/
(۷) شاہی ڈاکو " عہ/ " ۸/

مستقل خریداروں کو رعایتی قیمت پر سب کتب دیجائینگی
بشرطیکہ وہ اگلے نمبر بھی خریدیں۔ آئندہ سے سنت
امرت بانی کے سلسلہ کی ہر کتاب مستقل خریداروں کو
۳/۴ قیمت پر اور وگیان کے خریداروں کو ۲/۳ قیمت پر
دی جائیں گی محصول ڈاک علاوہ
ویدانت امرت بانی کے سلسلہ کی کتابیں چھپ رہی ہیں
تیار ہیں۔ امرت بانی کے مستقل خریداروں [illegible] اور
وگیان کے خریداروں سے [illegible] علاوہ محصولڈاک
پتہ:- مینیجر سنت امرت بانی۔ لاہور

وگیان کے سلسلہ کی نادر کتب

(۱) وگیان رامائن۔ شری رامچندر جی کا چرتر
وگیان کی نظر سے قیمت اصلی للعہ/ رعایتی عہ/
(۲) وگیان کرشنائن مہاپربھو کرشن کی زندگی
وگیان کی نظر سے۔ قیمت اصلی [illegible] رعایتی عہ/
(۳ و ۴) وگیان وششٹائن اور وگیان
پرشنوترائن (ایک ساتھ) ویدانت کی نادر عام فہم
اور نہایت سلیس کتابیں قیمت اصلی [illegible]
رعایتی عہ/
(۵ و ۶) وگیان بودھائن اور وگیان
بچنائن (ایکساتھ) مہاپربھو بدھ بھگوان کا جیون
چرتر معہ انکی مفصل تعلیم کے قیمت اصلی للعہ/
رعایتی عہ/
(۷) وگیان سنتائن۔ پورن دھنی حضور
مہاراج صاحب کا جیون چرتر معہ ارشادات
و فیوضات کے قیمت اصلی عا/ رعایتی عہ/

نوٹ:- جو صاحب تمام کتابیں ایکدفعہ
خریدیں گے ان کو ویدانت نامی کتاب
ضخامت ۲۶۰ صفحات۔ قیمت ۱۰/ مفت
دی جاتی ہے۔ شائقین درخواستیں
جلد بھیجیں۔ اس کی صرف تھوڑی سی
کاپیاں دفتر میں رہ گئی ہیں۔ المشتہر
ٹھاکر داس کھتوریہ مینیجر وگیان [illegible]



ہنسی مذاق کا سلحخانہ - ادب اخلاق کا کتب خانہ چہل دل لگی کا قیمتی سامان خوش طبعی کا بیش بہا ارمغان - ظرافت کا میگزین زندہ دلی کی بیشین پڑھتے چلئے اور ہونٹوں سے قہقہوں کے چٹاخے چھوڑتے چلئے - آج تک اردو زبان میں کسی نے بھی اس قسم کی کتابیں نہیں لکھی تھیں ہنسی ہنسی میں اخلاق اور ادب کی تعلیم دینا آسان کام نہیں - بلکہ سخت مشکل ہے یہ پتھر ہم ہی نے اٹھایا ہے کتابیں کیا ہیں - ہر طرح لاجواب نایاب اگر کوئی شخص ایک بھی کتاب اس قسم کی اردو - ہندی مرہٹی اور تلنگی وغیرہ ہندوستان کی مروجہ زبانوں میں دکھا دے - تو زیادہ نہیں ہم **تفریح** کی پانچ کاپیاں اسکی نذر کر دیں گے ۔

تفریح کے سلسلے کی دو کتابیں چھپ گئی ہیں - ایک کا نام ہے **"ہماری پڑھی لکھی بیویاں"** - دوسری کا ہے **"ہمارے پڑھے لکھے مرد"** دونوں نظم و نثر سے آراستہ تشبیہات و استعارات سے پیراستہ - جو اصحاب تفریح کی مستقل خریداری منظور فرمائیں گے - اُن کو نصف قیمت پر وی پی کی جائیں گی - اوروں سے پوری قیمت لی جائیگی اُن کے **مصنف منشی گوری شنکر لال صاحب** اختر ہیں - جن کے مذاق پسند طبیعت کا نمونہ 'واہ رے میں' نامی کتاب میں موجود ہے - اور جن کی خداداد قابلیت کا قائل ایک زمانہ ہے - **درخواست** جلد بھیجئے - دیر نہ لگائیے - کیونکہ یہ جھٹ پٹ بک جانے والی کتابیں ہیں - ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں - تیسری کتاب **ہمارے ہونہار طالب علم** زیر ترتیب ہے - چوتھی کتاب **پرانا اور نیا فیشن** ہوگی - اور پانچویں کتاب **تہذیب کا جھگڑا** - وعلے ہذا ۔

المشتہر **ٹھاکرداس کتھوریہ مالک و منیجر تفریح** سادھو سٹریٹ چنگڑ محلہ - **لاہور**

ناول میگزین کے سلسلے کے نہایت مقبول عمدہ ترین ناول

دلچسپ پُراثر اور نتیجہ خیز

ترچھی چتون ملک الشعرا سر رابندرا ناتھ ٹیگور کی چوکھیر ولی کا ترجمہ قیمت عہ مستقل خریداروں سے ۱۲ر

رسیلی چتون ڈی پٹیا بابو بنکم چندر چیٹرجی کے مشہور ناول کا اردو ترجمہ قیمت عہ مستقل خریداروں سے ۸ر

انقلاب ساگر شریمتی نروپما دیوی جی کے مشہور ناول کا ترجمہ قیمت عہ مستقل خریداروں سے ۹ر

کپال کنڈلا - زندۂ جاوید رائے بہادر بابو بنکم چندر چیٹرجی سی آئی ای کے کپال کنڈلا نامی بنگالی ناول کا اردو ترجمہ مترجمہ منشی گوری شنکر لال صاحب اختر قیمت ۱۲ار مستقل خریداروں سے ۸ر

پروگن مشہور سخن نگار بابو انت چند داس ایم اے بی ایل کے ناول کا ترجمہ قیمت عہ مستقل خریداروں سے ۱۲ر

آشا مشہور انشا پرداز مسٹر پانچکوڑی دے کے پرسوز ناول کا ترجمہ قیمت عہ مگر ناول میگزین کے مستقل خریداروں سے ۱۲ر

کال چکر مشہور ناولسٹ شری سریندر موہن بھٹا چاریہ کے ناول کا ترجمہ قیمت ۱۲ار مستقل خریداروں سے عہ

مرن مئی - کپال کنڈلا کی ٹریجڈک زندگی کا کمیڈک انجام - نہایت پُرسوز - رقت اثر اور بے نظیر ناول - قیمت عہ - مگر ناول میگزین کے مستقل خریداروں سے صرف ۱۲ر

بملا - بنگالی زبان کے ایک نہایت دلچسپ ناول کا اردو ترجمہ قیمت ۱۲ار مستقل خریداروں سے ۸ر

رادھا رانی بابو بنکم چندر چیٹرجی کے ایک دلچسپ ناول کا اردو ترجمہ قیمت ۸ر مستقل خریداروں سے صرف ۶ر

مدھومتی - ایک عجیب بنگالی ناول کا ترجمہ - بے نظیر پلاٹ - قیمت ۸ر مستقل خریداروں سے ۶ر

سیتا سنی ایک غریب عورت کی زندگی کا عبرت ناک انجام قیمت ۸ر مستقل خریداروں سے صرف ۶ر

آر آر ایس ایل مانک چاند ٹنگ سپرنٹنڈنٹ ناول میگزین - سادھو سٹریٹ - لاہور